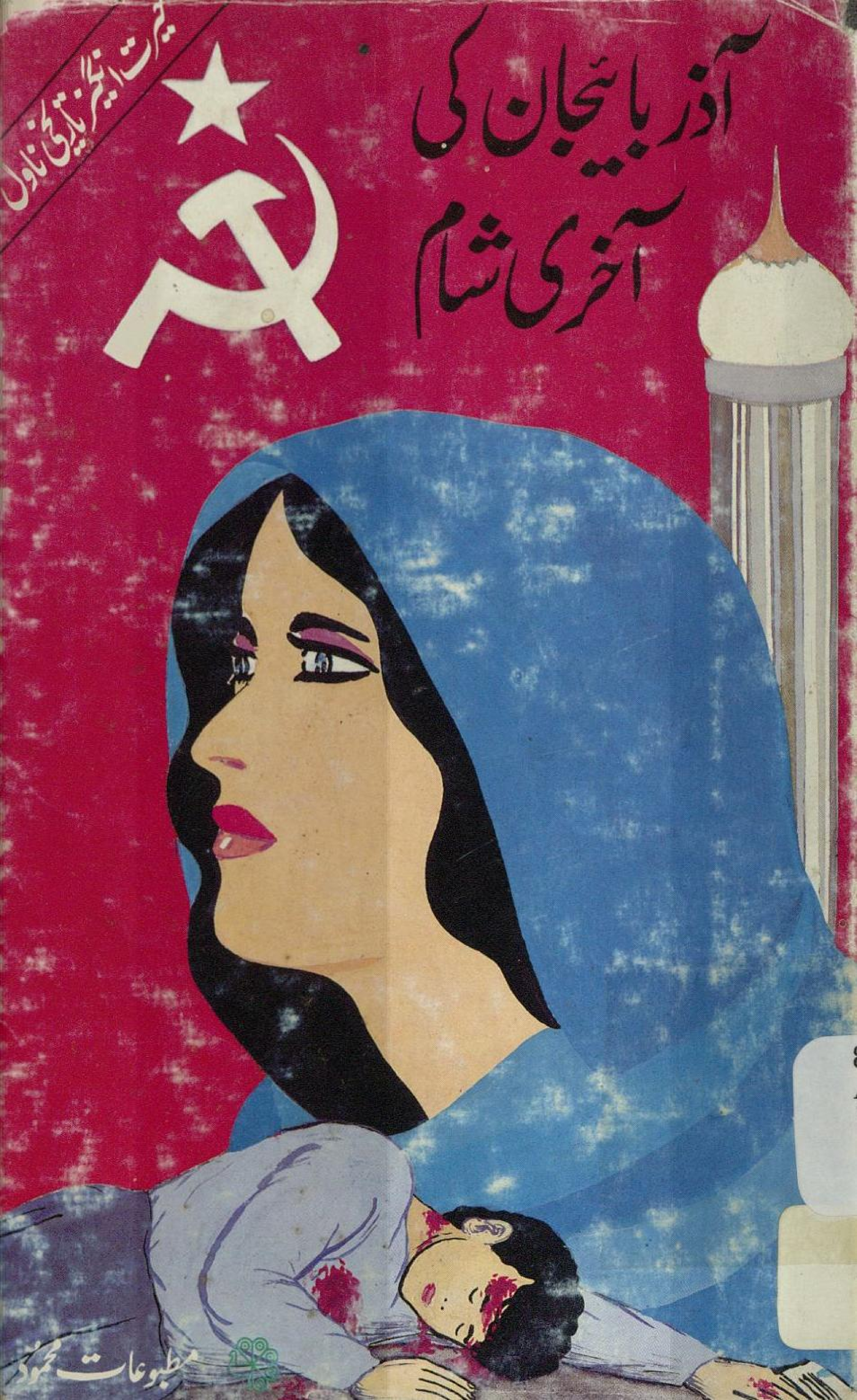

حیرت انگیز تاریخی ناول
آذربائیجان کی
آخری شام
مطبوعات محمود

ایک حیرت انگیز ناول

آذر بائیجان کی آخری شام

مطبوعات محمود

تاریخ بھی ــــ رومان بھی

آذربائیجان کی آخری شام

علی خان شیروان شیر کی خودنوشت

جس کی شہادت کے ساتھ ہی

آذربائیجان میں روسیوں کی مزاحمت ختم ہو گئی تھی

لیکن اب پھر آذربائیجان جاگ رہا ہے

مطبوعاتِ محمود ــ گلشن اقبال ــــ کراچی

ناشر : مطبوعات محمود
مطبع : مارسں پرنٹرز ہاکی اسٹیڈیم کراچی
اشاعت : اوّل
قیمت : ۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : مطبوعاتِ محمود
۵۱ جے نرسری مارکیٹ بلاک ۶ پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی
خط و کتابت : پوسٹ بکس ۳۱۹۵
کراچی ۷۵۴۰۰
ٹیلی فون : ۴۴۲۲۵۴

"جو کل کے متعلق سوچتا ہے
بہادر نہیں ہو سکتا" گاندھی

عرضِ ناشر

مجھے یاد نہیں کہ کن صاحب نے اپنی پرانی کتابیں مجھے یہ کہہ کر بھجوائی تھیں کہ ان کے گھر میں اب ان بوسیدہ کتابوں کے لئے جگہ نہیں رہی۔ ان کتابوں میں ایک انتہائی اہم دستاویز بھی تھی۔ "علی نینو" ایک انگریزی ناول۔ ایک روز اچانک وقت میرے سامنے آزاد ہو گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ میں نے 'علی نینو' پڑھنا شروع کر دیا۔ شروع شروع میں یہ رومانی ناول تھا۔ لیکن پھر تاریخ کے اسرار کھلنے لگے۔ یہ ان مسلم ریاستوں کی کہانی تھی جو کسی وقت سوویت یونین کا حصّہ بن گئی تھی اور آج کل پھر وہاں سے آزادی کی آوازیں آنے لگی ہیں۔

میں نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ اس پسِ منظر میں کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ لیکن اس آپ بیتی سے جس طرح ان مسلم ریاستوں میں ہونے والی مختلف تبدیلیوں، خونریزیوں، ایران ترکی کشمکش، ترک روس اختلافات، ترک آرمینیا دشمنی۔ اور بالآخر ان ریاستوں کے روس میں ضم ہو جانے کے حقائق واضح ہوتے ہیں۔ وہ کئی تحقیقی دستاویزوں سے بھی نہیں ہوئے۔ اسی لئے مطبوعاتِ محمود نے اسے قاضی کفیل عباسی سے اُردو میں منتقل کروایا۔ اور اب یہ آپ کے حوالے ہے۔ ایک حیرت انگیز ناول۔ شدید محبتوں، سنگین عداوتوں، دلیرانہ مزاحمتوں، آپس میں متصادم تہذیبوں کی آمیزشوں — عقیدتوں کے ٹکراؤ، نسلوں کے خاتموں کی تیز رفتار داستان۔

آج کے روس میں۔ دنیا کے دوسرے خطوں میں رونما ہوتی تبدیلیوں کو سمجھنے کے لئے "علی نینو" کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جسے ہم نے 'آذربائیجان کی آخری شام' کا نام دیا ہے۔

محمود شام

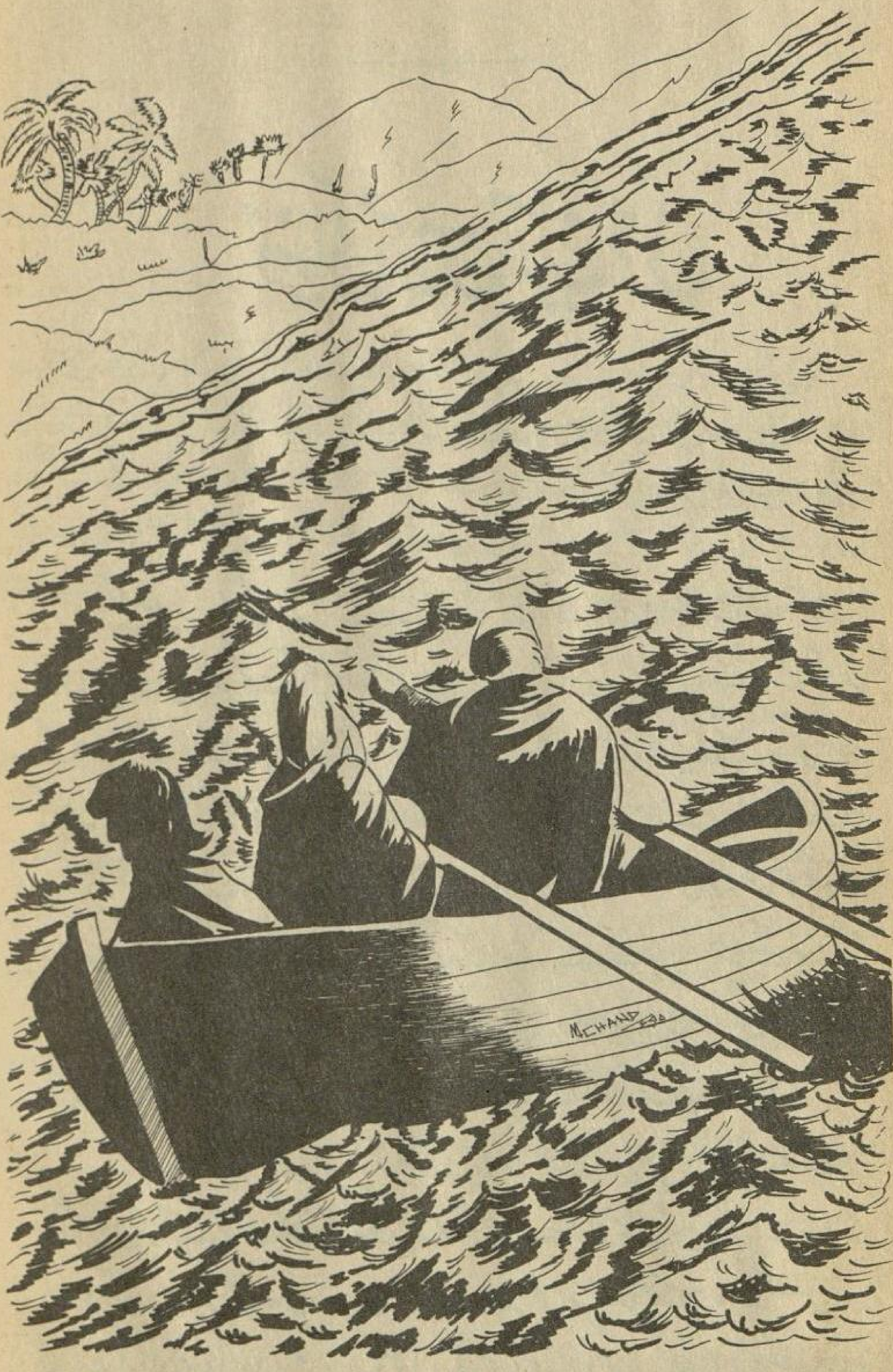
— ۱ —

دُنیا کی حسین ترین لڑکی

انڈے پر جتنے بال ہوتے ہیں
عورت میں اتنی عقل بھی نہیں ہوتی

نینو ۔ دنیا کی سب سے حسین ترین لڑکی تھی ۔ اس سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ میری رشتے کی بہن عائشی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مقدس ملکہ تمار کے لڑکیوں کے اسکول کے باغ میں ٹہل رہی تھی ۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے کچھ دیر قبل روسی استاد کے سامنے یورپ کے مقابلے میں ایشیا کو ترجیح دی ہے تو دنیا کی حسین ترین لڑکی نے دنیا کی سب سے خوب صورت آنکھوں کو میرے چہرے پر گاڑ کر کہا "علی ۔ تم احمق ہو ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم یورپ میں ہیں اگر میں ایشیا میں ہوتی تو وہ کئی برس پہلے مجھے نقاب پہنا چکے ہوتے ۔ اور تم ۔ مجھے دیکھ بھی نہ سکتے ۔" نینو نے ایسی بات کہی تھی کہ مجھے سوچنا پڑا اور میں پھر اسکول واپس نہیں گیا ۔ گھومتا رہا ۔ آوارہ پھرتا رہا ۔ یہ آج سے پانچ سال قبل کی بات ہے ۔

اس عرصے میں کسقدر تبدیلیاں آچکی ہیں ۔ اسکول میں نیا ہیڈ ماسٹر آچکا ہے جو شاگردوں کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکے دینے کا شوقین ہے کیونکہ کان کھینچنے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے ۔ میں علی خان شیروان شیر اس دوران تین مرتبہ داغستان دو بار طفلس اور ایک بار ایران ہو آیا ہوں ۔ میں نے اسکول کے کئی امتحان پاس کر لئے ہیں ۔ اسکول میں بھرے ہوئے پستول لے کر داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی ہے ۔ قصبے میں ٹیلیفون بھی


M.CHAND

نصب کیا جا چکا ہے بہت سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں لیکن اگر کسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو وہ نینو ہے جو آج بھی دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے

میرے آخری امتحانات میں ایک ہفتہ باقی ہے جس کے ساتھ ہی یہ سب ختم ہو جائے گا۔ مجھے گھر کی دوسری منزل پر واقع اپنا کمرہ بہت پسند ہے جس میں اصفہان۔ بخارا و کاشان کے قالین بچھے ہوئے ہیں۔ ہمارے گھر کی چھت سپاٹ ہے۔ میں کتاب بند کر کے چھت پر جاتا ہوں جہاں سے اپنی دنیا کا نظارہ کر سکتا ہوں۔ قصبے کے قلعے کی مضبوط دیواریں، محل کے کھنڈرات اور دروازے پر موجود عربی نقوش اور گلیوں میں اونٹ چل رہے ہیں۔ ٹاور کے عقب میں سمندر ہے اور چٹانوں سے آگے ناقابل تسخیر صحرا، میں بیکراں سمندر و صحرا سے محبت کرتا ہوں لیکن ان کے درمیان واقع قصبہ ہے۔ لیکن تیل کی تلاش میں آنے والے پر شور لوگ باکو کے حقیقی باشندے نہیں ہیں جو دولت حاصل کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ انہیں صحرا سے محبت نہیں ہے۔

خادم چائے لے آیا ہے اور میں چائے پینے کے ساتھ اپنے امتحان کے بارے میں سوچتا ہوں۔ امتحان تو میں یقیناً پاس کر لوں گا۔ لیکن اگر فیل بھی ہو جاؤں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ ہماری جاگیر پر کام کرنیوالے مزارع تو مجھے داتا ہی سمجھیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ میں امتحان پاس کرنے کے بعد ماسکو چلا جاؤں اور وہاں ایشیائی زبانوں کے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لوں جس کا لباس سب سے خوبصورت ہے۔ لیکن اگر روسیوں نے مجھے نا امید کیا تو کیا نینو مجھے شوہر کی حیثیت سے قبول کرے گی۔ لیکن میں نینو سے جو عیسائی ہے ہر قیمت پر شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جارجیا کی عورتیں دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ لیکن اگر اس نے انکار کیا تو میں چند بہادروں کا انتخاب کروں گا اور اسے تہران لے جاؤں گا۔ باکو میں ہمارے گھر کی چھت سے نظر آنے والی زندگی حسین و سادہ تھی۔

خادم نے مجھے میرے کاندھے کو چھو کر اطلاع دی کہ وقت ہو گیا ہے میں تیزی سے سیڑھیاں اتر کر بگھی میں بیٹھ کر بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں میرے چچا

ایران سے تشریف لا رہے تھے اور مجھے ان کا استقبال کرنا تھا۔

میرے چچا ایک ممتاز فرد ہیں اور انہیں شاہ ناصر الدین نے اسد الدولہ یعنی شیر مملکت کے خطاب سے نوازا تھا اور اب انہیں کوئی بھی اس خطاب کے سوا کسی نام سے نہیں پکار سکتا۔ ان کی تین بیگمات تھیں اور انگنت ملازم۔ ہمارے علاقے میں عورت کو مرد سے کمتر سمجھا جاتا ہے ایک ضرب المثل بہت عام ہے۔ کہ انڈے پر جتنے بال ہوتے ہیں عورت میں اتنی عقل بھی نہیں ہوتی۔

چھوٹی بوٹ کنارے سے آلگی اور مسافر اترنے لگے، روسی، یہودی اور آرمینی۔ چچا نظر نہیں آرہے تھے۔ ان کا کہنا ہے "جلدی کا کام شیطان کا" تمام مسافروں کے اترنے کے بعد مملکت کے شیر کی صورت دکھائی دی۔ ان کے پیچھے تینوں چچیاں تھیں۔ برقعوں میں ملبوس۔ ان کے پیچھے خواجہ سرا تھے۔ میں چچا سے بغل گیر ہوا اور پھر ہم بگھیوں میں سوار ہو کر گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب ہم ایسپلانڈ سے گزرے تو وہاں پر کھڑی نینو نے مجھے مسکراتی آنکھوں سے دیکھا۔

چچا مجھ سے قصبے کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور میں انہیں گزشتہ عرصہ میں ہونیوالے واقعات کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ داداش بیگ نے اشند سعد کو قتل کر دیا اور اب پولیس داداش بیگ کی تلاش میں ہے روسیوں نے بی بی عبات میں مزید تیل دریافت کر لیا ہے۔ جرمن کمپنی نوبل، تیل کی تلاش کے سلسلہ میں کھدائی کے لئے نئی مشین لائی ہے۔ میں بولتا رہا اور چچا جان توجہ سے سنتے رہے۔

چھت کے اوپر خوبصورت غالیچے بچھا دیئے گئے تھے۔ والد چچا جان اور میرے سامنے دسترخوان بچھا دیا گیا جس پر لذیذ ترین کھانے چُنے گئے تھے۔ خادم ہمارے پیچھے کھڑے حکم کے منتظر تھے۔ ہم سب ہاتھ سے کھانا کھا رہے تھے جو ہمارے یہاں صدیوں سے رائج ہے۔ لیکن میں اٹھارہ برس کا ہونے کے باوجود ابھی تک ان سے پوری طرح آشنا نہیں ہو سکا۔ نینو جس کے یہاں یورپی انداز میں میز پر بیٹھ کر کھانے کا رواج ہے

یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کے والد نے بھی پہلی مرتبہ کانٹا بیس سال کی عمر میں پکڑا تھا۔ کہتی تھی تمہارا زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے کھانے کا انداز وحشیانہ ہے۔

کھانا ختم ہوا۔ ہم نے ہاتھ دھوئے اور چچا نے دعا مانگی۔ کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی میرے چچا نے دوسرے پرانے لوڑھے لوگوں کی طرح اچھی خوراک کے بعد گفتگو شروع کر دی۔ رواج کے مطابق میں بالکل خاموش تھا اور والد کبھی کبھی بول پڑتے تھے۔ چچا جان ہمیشہ ناصر الدین شاہ کے ساتھ اپنے ادا کردہ اہم کردار کی داستانیں سناتے رہے۔ جب رات بہت ہو گئی تو وہ اٹھے اور سیڑھیاں اتر کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میرے والد ساتھ تھے۔ میں چھت پر تنہا رہ گیا تھا لیکن مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔

ہمارا قصبہ جو اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دراصل ایک دوسرے میں پیوست دو شہر تھے۔ نیا شہر جس کی گلیاں اور بازار چوڑے تھے یہ اس دولت سے تعمیر ہوا تھا جو تیل کے چشموں سے ابل رہی تھی۔ اس میں اسکول تھیٹر، اسپتال اور لائبریریاں تھیں۔ پولیس کے سپاہی تھے اور عریاں شانوں والی عورتیں۔ اور یہیں بینو رہتی تھی قدیم فصیل کے اندر دوسرا شہر آباد تھا جہاں مکانات اور گلیاں تنگ تھیں اسے باکو کے حکمراں محمد یوسف خان نے اپنی بیٹی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ بیٹی نے اس وقت بلندی سے چھلانگ لگا دی تھی جب اس کا بوالہوس باپ اس کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا، جس پتھر پر وہ گری وہ آج بھی "کنواری کا پتھر" کہلاتا ہے۔ ایک عرصہ سے کنواریاں شادی سے ایک دن قبل اس پر پھول چڑھاتی ہیں۔

ہمارے قصبہ کی تاریخ صدیوں پرانی اور خونی ہے۔ گلیوں میں بہنے والا یہی خون ہمیں بہادر اور مضبوط بناتا ہے۔ بہت عرصہ پہلے جب آذربائیجان ایران کا ایک حصّہ تھا۔ اور باکو پر حسن قلی خان کی حکومت تھی۔ زار کی حکومت میں جنرل کے عہدے پر فائز زیزیان شانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ حسن قلی خان نے روسی شہزادے کے لئے دروازہ کھولنے اور ہتھیار پھینکنے کا اعلان کیا۔ شہزادہ صرف چند افسروں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اس کے اعزاز میں ایک محفل کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں شہزادے نے اس قدر شراب پی لی کہ مدہوشی کے عالم میں



اپنا تھکا ہوا سر حسن قلی خان کے سینے پر رکھ دیا تب میرے بزرگ ابراہیم خان شیروان شیر نے ایک خنجر نکال کر حسن قلی خان کو دیا جس نے اس خنجر سے شہزادے کا گلا کاٹ دیا۔ سر کو نمک کے ایک تھیلے میں ڈال کر میرے بزرگ شہنشاہ کے حضور ایران لے گئے زار نے انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور ایک فوج باکو بھیجی۔ حسن قلی خان نے خود کو محل میں محصور کر لیا جب زار کے سپاہی دیواروں پر چڑھنے لگے تو حسن قلی خاں زیر زمین راستے سے سمندر کی طرف بھاگ گیا اور وہاں ایک کشتی میں بیٹھ کر ایران فرار ہو گیا۔ زمین دوز راستے سے فرار ہونے سے قبل اس دروازے پر ایک پر اثر جملہ لکھا ”جو کل کے متعلق سوچتا ہے وہ بہادر نہیں ہو سکتا“

— ۲ —

خنجر کے ساتھ روائتی رقص

ہمارے خون میں صدیوں سے رچے
گیتوں پر روسی استادوں کے چہرے
مکدر تھے۔

اسکول چھوڑنے والوں کی یونیفارم نسبتاً سادہ تھی۔ اس تقریب میں طلبا کے ساتھ اساتذہ اور دو چرچوں سے تعلق رکھنے والے بھی موجود تھے پادری نے اپنے مخصوص انداز میں دعا کی۔ سامنے زار کی تصویر آویزاں ہے جس کی چھاتی پر بہت سے تمغے ہیں گزشتہ آٹھ سال میں، میں نے انہیں گننے کی بار بار کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ پہلے زار کی تصویر کے ساتھ زارینہ کی تصویر بھی آویزاں تھی لیکن اب اسے ہٹا دیا گیا ہے۔ مسلم گھرانوں نے اسکول کے مختصر ڈریس پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اسکول بھیجنا بند کر دیا ہے۔

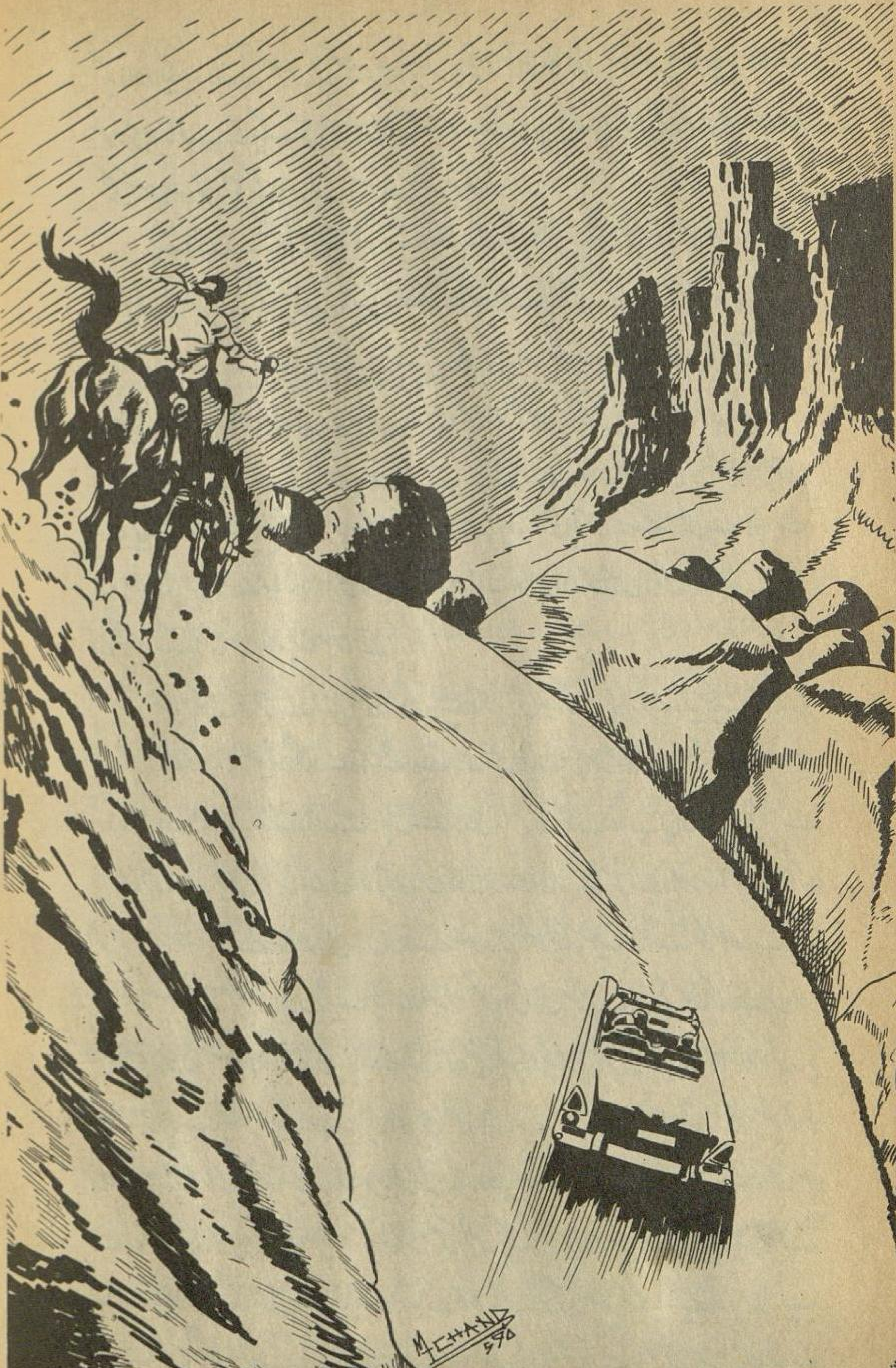
دعا ختم ہوئی اور ہم ایک قطار بنا کر امتحانی ہال میں داخل ہوئے۔ ہال کا ماحول سنجیدہ اور کسی قدر خوفزدہ کرنیوالا ہے۔ ہم استادوں سے خوفزدہ ہیں اور استاد اس بات سے کہ ہمارے پاس خنجر اور پستول ہیں زیادہ تر پروفیسر باکو میں اپنے تقرر کو اللہ کی طرف سے سزا جانتے ہیں۔ نیم تاریک راہداریوں میں پروفیسروں کی پٹائی معمول کا ایک حصّہ ہے اور مجرم کبھی نہیں پکڑے جاتے یہی وجہ ہے کہ علی خان شیروان شیر جب اپنے پڑوسی سے حساب کا پرچہ نقل کرنا ہے تو وہ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ صرف ایک مرتبہ استاد قریب آیا اور اس نے کہا "اسقدر کھلے طور پر نہیں۔ شیروان شیر ہم یہاں اکیلے نہیں ہیں۔" یوں حساب کا معاملہ صحیح ہو گیا۔ تحریری طبیعات کا پرچہ زیادہ مشکل تھا۔ لیکن جہاں قابلیت نے مجھے دھوکہ دیا وہیں نقل کے فن نے مجھے کامیاب کیا۔ اس طرح طبیعات کا پرچہ بھی حل ہو

گیا اور ایک دن کی تعطیل مل گئی۔ پھر مرحلہ زبانی امتحان کا تھا۔ پہلا نمبر اسلامیات کا تھا مولوی صاحب نے ایک ہی سوال پوچھا اور پورے نمبر دیدیئے۔ پھر تاریخ کا پرچہ تھا اور وہ بھی کسی طور گزر ہی گیا اور یوں امتحان ختم ہو گیا۔

چند دنوں بعد نتیجہ نکل آیا' اور ہیڈ ماسٹر نے ایک تقریب میں ہمیں پاس قرار دیا۔ ہم قیدیوں کی مانند بھاگتے ہوئے باہر آئے۔ کونے پر کھڑے پولیس کے سپاہی نے مبارکباد دی اور ہم سب نے اسے پانچ سکے دیئے میں گھر پہنچا تو سکندر اعظم کے ایران فتح کرنے کی طرح میرا استقبال ہوا۔ میرے والد نے میری تین خواہشوں کے پورا کرنے کا وعدہ کیا۔

جیسے ہی جوش کے لمحے سرد ہوئے میں نے ٹیلیفون کی طرف توجہ دی گزشتہ دو ہفتوں سے میں نینو سے ملاقات نہیں کر سکا تھا۔ نینو نے پوچھا "علی پاس ہو گئے" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ نینو نے مبارکباد دی تو میں نے پوچھا اب کہاں اور کب مل رہی ہو۔ نینو نے کہا آج گورنر کے باغ کی نہر پر شام ۵ بجے۔

شام کو میں گورنر کے باغ پہنچا۔ باکو جیسے صحرا میں یہ ایک عجوبہ ہے۔ یہ ایک بڑا باغ تھا جس کے درخت ہمیشہ گرد سے اٹے رہتے تھے۔ میں ایک بنچ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی دوران ایک عورت نقاب اوڑھے وہاں سے گزری۔ اس کی ناک نقاب میں واضح تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال کلبلانے لگا کہ اچھا ہے جو نینو نہ تو نقاب پہنتی ہے اور نہ اس کی ناک نوکیلی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نینو کے تصور میں کھو گیا۔ سفید رنگت، خوبصورت سیاہ بڑی مسکراتی آنکھیں اور بڑے بڑے ابرو۔ میں ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ بے پرواہ کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز آئی۔ ہائے اللہ۔ رومیو، گہری نیند میں اپنی جولیٹ کا انتظار کر رہا ہے۔ میں چونک گیا۔ نینو میرے بازو میں کھڑی تھی۔ اس نے ابھی تک مقدس تمار کے اسکول کی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ اس کی عمر ۱۷ سال تھی۔ اور وہ ایک نازک سی لڑکی تھی۔ میں اسے اس دن سے جانتا ہوں جب وہ پہلی مرتبہ اسکول گئی تھی۔ نینو سمجھ گئی۔ اچھا تو تم پاس ہو گئے میں تمہارے لئے بہت فکرمند تھی۔" میں نے اپنا بازو اس کے کاندھے کے گرد حلقہ کر دیا۔ "یہ تو یہ دلچسپ بات۔ لیکن تمہیں پتہ ہے اللہ اس سے ڈرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔" ایک سال بعد تم نے اللہ سے میری مدد کروانی ہے تمہارے بنچ کے نیچے بیٹھ کر نقل کرائے بغیر میں ریاضی کا امتحان



پاس نہیں کر سکتی "۔ یہ چند سال قبل کی بات ہے جب نینو بارہ سال کی تھی۔ آنسوؤں سے منہ دھوتی سڑک پار کر کے میرے پاس آئی تھی اور ہاتھ پکڑ کر مجھے کلاس روم میں لے گئی، جہاں لوڑے وقت مجھے بنچ کے پیچھے بیٹھ کر اسے ریاضی کے سوالات حل کرانے پڑے تھے اس دن سے میں نینو کی نظروں میں ایک ہیرو تھا۔

" تمہارے چچا اور ان کی حرم کا کیا حال ہے۔ نینو نے پوچھا میں نے بتایا کہ وہ واپس جانے والے ہیں۔ نینو نے بتایا کہ اس کے والدین اسے پسند نہیں کرتے۔ میں نے کہا نینو میں کبھی حرم نہیں رکھونگا۔ لیکن میرا خیال ہے تم اسے نقاب پہناؤ گے"

" یہ حالات پر منحصر ہے " میں نے کہا " ویسے بھی نقاب سورج، گرد اور اجنبی نظروں سے محفوظ رکھتا ہے"

نینو کا چہرہ سرخ ہو گیا " تم ایشیائی ہی رہو گے۔ اگر کوئی اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ لیتا ہے تو کیا بگڑتا ہے " عورت خوشی چاہتی ہے "

" عورت کا فرض ہے کہ صرف شوہر کی خوشنودی کا خیال رکھے۔ کھلا چہرہ، عریاں کمر، نیم عریاں سینہ آر پار نظر آنے والے پیروں کے موزے یہ مردوں کو عورت کا زیادہ جسم دیکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور انہی خواہشات سے محفوظ رہنے کے لئے عورتیں نقاب پہنتی ہیں۔

نینو مجھے حیرت سے دیکھنے لگی " تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا یورپ میں سترہ سالہ لڑکی اور ۱۹ سالہ لڑکا ایسی باتیں کر سکتے ہیں "۔

" میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کر سکیں " میں نے کہا۔

" تو پھر ہمیں بھی ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں " نینو نے کہا اور سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

جب کچھ دیر بعد ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے واپس آرہے تھے تو میں نے پوچھا " نینو تم گرمیوں کی چھٹیوں میں کیا کر رہی ہو "

" گرمیوں میں ہم کارا باغ جا رہے ہیں " نینو نے جواب دیا۔

" ٹھیک ہے پھر میں تم سے شوشا میں کارا باغ میں ملوں گا "

میں گھر میں داخل ہوا اور والد صاحب سے ملنے چلا گیا۔ میں نے کہا آپ نے میری تین خواہشات کے پورا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ میری پہلی خواہش یہ ہے کہ میں گرمیاں کار اباغ میں تنہا گزاروں۔ والد صاحب نے مجھے گہری نظر سے دیکھا اور مسکرا کر اثبات میں سر کو جنبش دیدی۔

سینال آغا سیدھا سادھا غریب دہقان تھا۔ ایک چھوٹے سے صحرائی خطہ کا مالک تھا۔ اسے دن رات کی محنت کے باوجود کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ ایک رات زلزلہ آیا۔ تو جہاں زمین تلپٹ ہو کر تیل نکل آیا وہیں اس کی قسمت بھی بدل گئی اور سینال آغا ایک رات میں امیر بن گیا۔ ستر سال کی عمر میں اس نے سترہ سال کی لڑکی سے شادی کی۔ لیکن اس نے بے وفائی کی آغا نے اس بے وفائی کا انتقام تو لے لیا لیکن اس کا سکون بھی چھن گیا۔ اس کا ایک بیٹا گھر چھوڑ کر چل گیا دوسرے نے خودکشی کر کے اسے مزید رسوا کر دیا اب سینال آغا اپنے محل میں ایک لڑکے الیاس بیگ کے ساتھ رہتا تھا۔ جو میرا ہم جماعت تھا اور اسی نے آج اپنے میٹرک پاس کرنے کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔

الیاس بیگ مہمانوں کے استقبال کے لئے دروازہ پر موجود تھا۔ ہم دونوں بغل گیر ہوئے اور پھر میں ہال میں داخل ہوا، جو ہمارے دوستوں اور استادوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بھی موجود تھے۔ اسی اثنا میں ایک دس برس کا بچہ بھاری پردوں کو ہٹاتا ہوا چار سیاہ رنگت کے اندھے موسیقاروں کو اندر لے آیا۔ یہ ایران سے بلوائے گئے تھے انہیں ہال کے ایک گوشے میں بٹھا دیا گیا۔ وہ گانے لگے وہ جو گیت گا رہے تھے۔ وہ ہمارے خون میں صدیوں سے رچ رہے ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ روسی استادوں اور ہیڈ ماسٹر کے چہرے پر تکدر کے آثار تھے، انہیں ہماری موسیقی پسند نہیں تھی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو بھاری پردے کی اوٹ میں کھڑا سینال آغا گیت سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے سینال آغا جو ابھی تک دل سے ایک دہقان تھا مگر تعلیم یافتہ متعصب استادوں سے کہیں زیادہ اس موسیقی کو سمجھتا تھا۔

آخر کار مجھے نینو کی آواز سنائی دی۔ وہ الیاس بیگ سے دیر سے آنے پر معذرت

کر رہی تھی، اس نے جارجیا کی شہزادیوں کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور بے حد خوبصورت لگ رہی تھی" نہیں۔ علی خان۔ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ لباس میں نے تمہاری خاطر پہنا ہے اور اس میں گھنٹے لگتے ہیں۔"

"لیکن پہلا رقص میرے ساتھ" الیاس بیگ نے کہا۔ نینو نے میری جانب دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اجازت دیدی۔ الیاس بیگ خنجر کے ساتھ روایتی رقص کرنے لگا۔

—۳—

یورپی بادشاہوں کے خلاف زار کا اعلانِ جنگ

عقاب پہاڑوں سے آتے ھیں
شیر جنگلوں سے
لیکن صحراؤں سے کیا آتا ھے؟

کارا باغ کا نام ہمارے آبا و اجداد نے پہاڑوں کی بلندیوں پر دور تک پھیلے ہوئے جنگلات کی مناسبت سے رکھا تھا۔ اس سے قبل یہ سونگ اور اگوار کہلاتا تھا۔ شوشہ حیرتناک قصبہ ہے جو صدیوں سے ترکی اور ایران کے درمیان پُل کا کام انجام دیتا رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو گھروں کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھنے کی عادت ہے۔ اور اس سے بالکل نہیں تھکتے۔ میں شوشہ میں ورانڈے میں بیٹھا بوڑھے مصطفٰے سے پریوں کی کہانیوں جیسی، اس قصبہ کی داستانیں سنتا رہتا۔ مجھے اس قصبہ میں آئے ہوئے پانچ روز ہو گئے تھے اور میں سب سے ملاقات کر چکا تھا۔ لیکن نینو اور اس کے گھر والوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

آخر نینو کے گھر والے بھی پہنچ ہی گئے انہوں نے شوشہ میں تعطیلات گزارنے والوں کو ایک تقریب میں مدعو کیا تھا۔ میرے سامنے نینو کے والد بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ میں شراب نہیں پیتا لیکن یہ بے ادبی تھی کہ میں ان کے دعوت دینے کے باوجود انکار کر دیتا۔ نینو کی ماں، اپنے شوہر کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے بازو میں بیٹھی نینو پر ایک نظر ڈالی، جو بھورے

بالوں والے دادیانی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے ہمیں اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی۔
"تم وہاں قدیم ترین درخت دیکھو گے"، اس نے کہا۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا" درختوں کے لیے نہیں، آپ کے لیے آؤنگا" دادیانی نے پوچھا "تمہیں درختوں سے کیوں عداوت ہے" نینو نے درمیان میں تبصرہ کیا۔ "علی خان کو درختوں سے ایسے ہی خوف آتا ہے جیسے بچوں کو بھوت سے"

کھانے کا دور بھی جاری تھا اور گفتگو بھی۔ تمارین بہت زیادہ پی چکا تھا اور اب فلسفہ اور شراب اس پر چھا چکے تھے۔ اس نے یکایک چلا کر پوچھا۔

" علی خان، عقاب پہاڑوں سے آتے ہیں، شیر جنگلوں سے لیکن صحراؤں سے کیا آتا ہے؟"

"شیر اور جنگجو"۔ میں نے جواب دیا اور نینو حیرت سے تالیاں بجانے لگی۔ بھنے گوشت اور شراب کی ضیافت جاری تھی۔ نینو نے میری طرف دیکھا۔ تاریکی گہری ہو گئی تھی۔ اور ضیافت میں شریک افراد بھوتوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ دادیانی اور تمارین کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ میں خاموشی سے اٹھا اور وہاں سے چلا آیا۔ قریب ہی کنویں سے پانی پیا۔ اسی دوران میں نے پتوں کے چرچرانے کی آواز سنی، مڑ کر دیکھا تو وہ نینو تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ہم درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک جانب واقع گھاس کے قطعہ پر نینو لیٹ گئی قریب ہی میں بھی لیٹ گیا۔

"علی خان۔ حالانکہ میں اب شہزادی بن چکی ہوں۔ لیکن پھر بھی تم ہی سے محبت کرتی ہوں"۔ نینو نے کہا۔

"لیکن یہ اعزاز دیر تک تمہارے پاس نہیں رہے گا۔ کیونکہ جیسے ہی تم شادی کرو گی تم سے یہ اعزاز چھین لیا جائے گا۔ ویسے خان کا اعزاز بھی برا نہیں ہے"۔ نینو اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگی۔

"خان تو ٹھیک ہے لیکن خانی کیا ہو گا۔ ویسے تم نے بہت خوبصورت انداز میں شادی کی پیش کش کی ہے اگر یہ پیش کش ہی ہے"۔ اس نے کہا۔

"ہاں اس کا یہی مطلب ہے"۔ میں نے کہا۔

نینو کی انگلیاں میرے چہرے سے لیکر بالوں تک آ پہنچیں۔

"اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم شوشہ کے جنگلات کے ہمیشہ ممنون ہو گے۔"

"یقیناً۔"

"علی خان تم بہت اچھے ہو۔ میں انکار نہیں کر سکتی۔ لیکن ابھی ہاں کہنے کا وقت نہیں آیا۔ جب میں امتحان پاس کر لوں تو پھر تم میرے والدین سے رشتے کی بات کرنا۔ ہاں مجھے اغوا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ کہکر وہ ہنسنے لگی۔ پھر ہنستے ہنستے کہنے لگی" آداب چلیں۔" ہم واپس پہنچ گئے۔ لیکن وہاں کسی نے ہماری غیر حاضری کو محسوس نہیں کیا تھا۔ میں نے پانی کا گلاس بھر کر پیا۔ میرے ہونٹ جل رہے تھے۔ جب میں نے گلاس نیچے رکھا تو میری نظریں تماریں کی نظروں سے ملیں، جن میں دوستی اور کس قدر شفقت تھی۔

میں دیوان پر لیٹا اپنی محبت اور محبوبہ کے بارے میں سوچ رہا تھا میرا انداز محبت مختلف تھا۔ میں نے روایتی انداز میں کسی کنویں پر پانی بھرتے وقت ملاقات کرنے کے بجائے نینو سے اس کے اسکول جاتے وقت نکولائی اسٹریٹ پر ملاقات کی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ روسی عورتیں بے وفا ہوتی ہیں اپنے شوہروں سے بے وفائی کرتی ہیں۔ مگر نینو کے روسی ہونے کے باوجود مجھے اس سے محبت ہے۔ اس کی آنکھوں سے اس کی آواز سے اس کے انداز گفتگو اور سوچنے کے انداز سے محبت ہے، میں اس سے شادی کرونگا اور انشا اللہ وہ وفادار بیوی ثابت ہو گی۔

میری سوچیں مجھے تھکا دیتی ہیں اور میں مستقبل کے خواب دیکھتا خوابوں کی دنیا میں چلا جاتا ہوں۔ جب میری آنکھ کھلی تو کوتشی خنجر سے ناخن کاٹ رہا تھا۔ میں نے جماہی لیتے ہوئے سستی سے پوچھا۔ ننھے برادر کیا خبریں ہیں۔

اس نے خنجر کمر میں اڑستے ہوئے کہا" زار نے کئی یورپی بادشاہتوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔"

"کیا کہا جنگ"، میں پریشان ہو کر اچھل پڑا۔" ہاں معمولی جنگ اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے۔ کس کے خلاف۔" میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

"کئی یورپی شہنشاہوں کے خلاف۔ مجھے نام ٹھیک سے یاد نہیں ہاں مصطفیٰ نے

لکھ لیتے تھے"۔ اس نے بتایا۔ میں نے کہا کہ وہ مصطفے کو بلائے۔ وہ اندر آیا تو بتانے لگا کہ جرمن کے قیصر، آسٹریا کے شہنشاہ بوہریا کے بادشاہ اور پروشیا کے شہنشاہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے جس وقت میں خواب میں نینو سے شادی رچا رہا تھا زار نے اعلان جنگ کر دیا تھا جو سارے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا تھا۔

میں بھاگ کر اصطبل پہنچا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے بازاروں میں پہنچ گیا۔ گھوڑے کو اس عمارت کے سامنے روکا جہاں نینو کا خاندان ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک ملازم نے باہر آ کر اطلاع دی کہ کیپانی خاندان تو جا چکا تھا۔ لیکن میرے لیئے نینو ایک خط چھوڑ گئی ہے اس نے خط لا کر دیا نینو نے لکھا تھا "علی خان۔ اچانک جنگ شروع ہو گئی ہے اور ہم واپس باکو جا رہے ہیں۔ ناراض مت ہونا۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تم بھی جلد واپس آ جاؤ۔ آتے ہوئے ایک قالین لیتے آنا جس پر رنگ برنگے گھوڑے کے نقش ہوں"۔ میں نے نینو کا خط تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا جب میں گھر واپس پہنچا تو تاریکی بڑھ گئی تھی۔ بوڑھے نشے میں دھت گلیوں میں فائرنگ کرتے بھاگ رہے تھے"۔ اب خون بہے گا۔ اب خون بہے گا۔ کارا باغ تو عظیم ہے"۔

—۴—

یہ جنگ مسلمانوں کی نہیں ہے

اگر روسی جیت گئے تو ہم اپنی
شناخت کھو بیٹھیں گے
ہم دوغلے بن جائیں گے

گھر میں تار میرا منتظر تھا، "فوراً گھر پہنچو"، میں نے کوتشی سے کہا کہ سامان باندھو، ہم کل گھر جا رہے ہیں۔ میں باہر گلی میں نکل آیا۔ میں پریشان تھا۔ جانے کیوں میں ستاروں کو گھورتا اور گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔

"ہمارے دوست کون ہیں؟" کوتشی نے مجھ سے پوچھا
میں نے اسے بتایا کہ جاپان کا شہنشاہ، ہندوستان کا شہنشاہ، انگلستان کا بادشاہ بیلجیئن کا بادشاہ اور فرانس کی جمہوریہ کا صدر ہمارا دوست ہے۔ جب ہم اسٹیشن پہنچے تو چارجیا کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں نے اسے ہر طرف گھیرا ہوا تھا۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ ٹرین چل پڑی۔ دور تک زرد صحرا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے کھڑکی کھول دی اور دور صحرا میں عازم سفر کاروان کو دیکھنے لگا۔ میں بھی جنگ میں شریک ہونا چاہتا میری روح آزادی کی جنگ کے لئے بے چین تھی۔ لیکن مجھے انتظار کرنا تھا۔ کچھ لوگ ہو سکتا

ہے کہیں کہ میں نینو کی سیاہ آنکھوں کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔ ہو سکتا ہے یہ لوگ صحیح ہوں لیکن میرے لئے سیاہ آنکھیں، میرا مادر وطن ہے جس کی میں اجنبی خطرے سے حفاظت کروں گا۔"

میرا شہر ویسا ہی تھا جیسا کہ میں چھوڑ کر گیا تھا۔ کچھ تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ روسی جنگ لڑنے کے لئے غائب ہو چکے تھے۔ تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ پولیس جرمن اور آسٹرین لوگوں کے گھروں کی تلاشی لے رہی تھی۔ جنگ دور دراز علاقوں میں لڑی جا رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے دوسرے سیارے پر لڑی جا رہی ہو۔ میں نے جنگ میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے کئی لوگوں کی نظر میں میری حیثیت مشتبہ ہو گئی تھی۔ میرے والد بھی میرے اس فیصلہ پر حیرت زدہ تھے "علی خان شیروان شیر، کیا تم واقعی جنگ پر نہیں جا رہے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔ میرے منفی جواب پر، والد صاحب نے آباؤ اجداد کے میدان کارزار میں شجاعت کے کارناموں کے تذکرے چھیڑ دیئے۔ انہوں نے ان تذکروں کے بعد کہا "آج پھر جنگ چھڑ گئی ہے اور تم علی خان بزدلوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو" یہ کہہ کر میرے والد نے چپ سادھ لی۔ اداسی ان کے چہرے پر صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے اپنے والد کی اداسی دور کرنے کے لئے کہا "ابا جان۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری تین خواہشیں پوری کریں گے۔ ایک تو پوری ہو چکی کہ میں چند روز کاراباغ میں گزار آیا۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ آپ یقین کر لیں کہ میں اپنی تلوار نیام سے ضرور نکالوں گا۔ جب میں اسے ضروری سمجھوں گا اور میں نہیں سمجھتا کہ میں اس میں کچھ زیادہ دیر باقی ہے، میرے والد نے میری یہ خواہش بھی پوری کر دی۔

میں مسجد کے ملا سے ملا اور اس سے ساری بات کی۔ وہ میری بات سمجھ گیا اور میری دعوت پر گھر گیا۔ اس نے میرے والد کو بتایا کہ شرع کی رو سے اس جنگ میں کسی مسلمان کو حصہ نہیں لینا چاہیئے۔ ملا کی دلیلوں نے میرے والد کے دل سے شبہات زائل کر دیئے۔ اور گھر کی فضا پرسکون ہو گئی اور میں دوستوں کے گھر جانے لگا۔

جب میں نینو کے گھر پہنچا تو ایک ملازمہ نے استقبال کیا اور مجھے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔ گھر کے تمام لوگ اس وقت چائے پی رہے تھے انہوں نے مجھے چائے کی

دعوت دی۔ میں نے نینو کی امی کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور والد سے مصافحہ کیا۔

نینو نے اپنے ہاتھ کی تین انگلیوں سے میرے ہاتھ کو چھوا اور مسکرانے لگی۔ نینو کے والد نے پوچھا "تم نے جنگ میں حصّہ نہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اپنی جاگیر کے بعض اہم امور اور انتظامات کے سلسلہ میں الجھا ہوا ہوں۔ اس لئے جنگ میں شریک نہیں ہو رہا۔ لیکن جب بھی کڑا وقت آیا میں کسی سے پیچھے نہیں رہونگا۔ میرے جواب سے اس کی خاصی تسلی ہو گئی۔ کچھ دیر کی گفتگو کے بعد میں نے نینو کے والدین سے اجازت طلب کی۔ کہ کیا میں نینو کو آج اوپیرا دکھانے لے جا سکتا ہوں انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے اجازت دیدی۔ میں نے نینو کے والد سے ہاتھ ملایا۔ اس کی والدہ کی دست بوسی کی نینو میرے ساتھ دروازے تک چلی آئی۔ نینو نے کہا "میں بہت زیادہ خوش ہوں کہ تم یہیں ہو۔ یقین کرو میں بہت خوش ہوں۔ لیکن مجھے بتاؤ علی خان کیا تم جنگ میں حصّہ لینے سے خوفزدہ ہو۔ مرد تو جنگ سے محبت کرتے ہیں۔ میں جنگ میں آنے والے تمہارے زخموں سے بھی محبت کروں گی"۔ میں نے غیر جذباتی انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے کہا "نہیں میں خوفزدہ نہیں ہوں وقت آئے گا جب تم میرے زخموں کی مرہم پٹی کرو گی۔ لیکن اس وقت تک تم مجھے بزدل سمجھ سکتی ہو اگر ایسا کرنے سے تمہیں خوشی ملتی ہے"۔ نینو اس انداز میں مجھے دیکھتی رہی گویا وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکی ہے۔ گھر آکر میں نے اصلی ایرانی چائے کا کپ پیا اور اوپیرا کے لئے بکنگ کرا لی۔

آڈیٹوریم پوری طرح لوگوں سے بھرا ہوا تھا نینو میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہال میں موجود لوگ دھیمے انداز میں بات چیت میں مصروف تھے۔ نینو نے میری جانب رخ کیا۔ اس کے ہونٹ بھیگے بھیگے اور آنکھیں خشک تھیں۔ جب اوپیرا شروع ہونے سے قبل بتیاں گل ہوئیں تو میں نے اپنا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔ مجھے تیز موسیقی بالکل پسند نہیں ہے میں نے آنکھیں یوں بند کر لی تھیں کہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں کہ میں موسیقی میں کھو گیا ہوں۔ اسی اثنا میں، میں نے آنکھیں کھولیں تو میری نظر نمازین پر پڑی۔ میں نے نینو کو اس کے وجود سے آگاہ

کیا۔ اسی دوران اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا اور دوستانہ پہچان کا ہاتھ ہلایا۔ وقفہ کے دوران وہ میرے ساتھ سٹال سے باکس میں چلا آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا عمر ہے اس نے کہا "تیس سال" میرا خیال ہے کہ پھر تو ہم آپ زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکیں گے۔ نینو نے کہا اس کے پوچھنے پر کہ کیوں۔ نینو نے بتایا کہ اس کی عمر کے تمام افراد کو فوجی ملازمت کے لئے پہلے ہی طلب کیا جا چکا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ گردے کی بیماری میں مبتلا ہے اور ڈاکٹروں نے گھر ٹھہرنے کا مشورہ دیا ہے۔ تمارین کاراباغ کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ جنرل تھا اور وہ خود بھی بظاہر بہت طاقت ور تھا۔ اوپیرا شروع ہونے کے لئے پردہ اٹھتے ہی نینو نے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھدیا اور پورے پروگرام کے دوران اس کا سر میرے کاندھے پر رہا۔

اوپیرا کے اختتام پر ہم تمارین کے ساتھ کلب چلے آئے میں نارنگی کا شربت اور نینو اور تمارین شراب پینے لگے۔ تمارین نے کہا "اس وقت چھت کے نیچے تین عظیم کاکیشین بیٹھے ہیں۔ ایک جارجیا کا، ایک مسلم اور ایک آرمینیا کا" نینو نے کہا میں اکثر سوچتی تھی کہ جنگ کاکیشا والوں کا کام ہے۔ لیکن میں کاکیشا سے تعلق رکھنے والے دو افراد کے درمیان بیٹھی ہوں جن میں سے کوئی بھی لڑنا نہیں چاہتا"

تمارین نے نینو کو ایک نظر دیکھا اور کہا "ہم دونوں لڑنا چاہتے ہیں لیکن ایکدوسرے کے خلاف نہیں۔ ہمارے اور روسیوں کے درمیان ایک دلوار حائل ہے جو ہمارے کاکیشا کی ہے۔ اگر روسی جیت گئے تو ہم اپنی شناخت کھو بیٹھیں گے ہم دو غلے بن جائیں گے جبکہ ہم چاہتے ہیں کہ دو دنیاؤں کے درمیان پل بنے رہیں۔ جو بھی زار کے لئے لڑتا ہے وہ کاکیشیا کے خلاف لڑتا ہے"

نینو نے تمارین کے جواب میں اسکول میں پڑھی ہوئی باتیں دہرانی شروع کر دیں ایرانیوں نے مشرق کو تباہ کیا اور ترکوں نے مغرب کو۔ کتنی ہی جارجیا کی لڑکیوں کو لونڈیاں بنالیا گیا اور پھر روسی خود تو نہیں آئے۔ انہیں ہم نے خود بلایا تھا کہ وہ ہماری حفاظت کریں تاکہ یہاں امن وسکون قائم ہو سکے" تمارین نے نینو کو گہری نظر سے دیکھا اور بولا۔

"شہزادی روسی اپنا منصب پورا کر چکے۔ یہاں اب امن ہے اور ہم امن برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کیا ہم سب یہاں امن سے نہیں بیٹھے ہیں۔ پھر اب روسی کیا کر رہے ہیں اصل دشمن شمال میں ہے جو ہمیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کہ ہم بچے ہیں اور وہ ہمارا محافظ ہے۔

کھانے کے بعد ہم کلب سے گھر روانہ ہوئے راستے میں کار چلاتے ہوئے تمارین نے کہا "اگر روسی نہ ہوتے تو یہ خوبصورت قصبہ یورپ کا دروازہ ہوتا اور ہم یورپ میں ہوتے۔" نینو کو اس کے گھر پہنچا کر جب ہم واپس آرہے تھے تو تمارین نے مجھ سے پوچھا "کیا تم نینو سے شادی کر رہے ہو؟" میں نے جواب دیا "اگر اللہ نے چاہا" تمارین نے کہا تمہیں کچھ دشواریاں تو ہوں گی۔ لیکن میں تمہیں ان پر قابو پانے میں مدد دوں گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

گھر پہنچ کر میں اپنے کمرے میں داخل ہوا اور تاریک ماحول میں دیوان پر لیٹ گیا۔ کہیں قریب سے خاموش فضا میں ہاشم کے گانے کی آواز آرہی تھی جیسے لوگ مجنوں کہتے تھے۔ جو اپنی محبت کا حال کسی سے نہیں کہتا تھا۔ بس رات کی خاموشیوں میں کسی کونے میں بیٹھ کر روتا اور گاتا رہتا تھا۔ میں نے دیوار کی طرف رخ کیا اور خوابوں و تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ زندگی اب بھی خوبصورت تھی۔

— ۵ —

علی اور نینو کی منگنی

یہ ۱۰۰ سال قبل کی بات ہے
میں ایک شیروانِ شیر تھا اور
نینو اس کی پڑپوتی۔ ایک دوسرے
کے جانی دشمن۔

جنگ، جنگ عظیم میں تبدیل ہو گئی ہے۔ لیکن میں جیسا سال بھر پہلے تھا ویسا ہی اب ہوں۔ کچھ عرصہ قبل جو لوگ مجھے بزدل سمجھتے تھے اب دانا سمجھنے لگے ہیں۔ ایک دن قصبہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمانیہ سلطنت کے محمد پنجم راشد نے کافروں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا ہے۔ میرے دوست میرے پاس آ کر میری پیش بینی کی تعریف کرنے لگے کسی مسلم کو کافر کے لئے جنگ نہیں کرنا چاہیئے۔ اب ترک باکو آئیں گے اور ہم ایک متحدہ قوت بن جائیں گے۔

لوگ کس قدر جلد بدل جاتے ہیں اب کوئی مسلمان ہتھیار لینے نہیں جا رہا تھا۔ الیاس بیگ جنگ سے بیزار ہو چکا تھا۔ اور سینال آغا نے اس کی باکو واپسی کے لئے ایک خطیر رقم کی پیش کش کی تھی۔ اس نے حال ہی میں افسری کا امتحان پاس کیا تھا اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ حیدر نے بھی یہ امتحان پاس کر لیا تھا۔ لیکن اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا اور وہ پچھتاتے تھے کہ انہوں نے کیوں رضاکارانہ طور پر زار کی طرف سے لڑنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

ان دنوں چونکہ میں ذہنی طور پر پریشان تھا اس لیئے خاموش رہتا تھا۔ ایک دن میں اپنے اسکول کے زمانہ کے دوست مصطفےٰ کے پاس چلا گیا۔ جس کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ اس کا باپ ایک چھوٹی سی مسجد کا امام تھا۔ جبکہ اس کا دادا مشہد میں امام رضا کے مقبرے کا مجاور تھا۔ مصطفےٰ راسخ العقیدہ شیعہ تھا اور اس نے اپنی ایڑیوں پر یزید کا نام گدوا رکھا تھا تاکہ یزید کا نام ہمیشہ پیروں کے نیچے کچلا جاتا رہے۔ نینو کو اس سے نفرت تھی۔ لیکن میں اسے پسند کرتا تھا کیونکہ وہ واضح عقیدے کا مالک تھا۔ میں جب اس سے ملنے گیا تو اس نے کہا" ذرا سوچو تو علی خان اہلِ تشیع ایک سُنی خلیفہ کے لئے لڑ رہے ہیں۔ قیامت آنے والی ہے مصطفےٰ کو شیعوں کا سُنی خلیفہ کے جھنڈے تلے لڑنے کا اتنا شدید دکھ تھا کہ وہ زار وقطار رونے لگا اور سینہ کوبی کرنے لگا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ میں نے اس سے کہا " ترک ہمارے بھائی ہیں ہماری رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے لیکن کیا روسی صلیب سے مسلم ہلال بہتر نہیں ہے؟"

مصطفےٰ نے اپنی آنکھیں خشک کیں اور سرد فخریہ لہجے میں کہا " میری رگوں میں محمدؐ کا خون ہے اور یہ ترک کافر ہیں۔ سائبیریا وغیرہ جاکر دیکھو یہ اب بھی پوجا کرتے ہیں۔ یہ کافر ہیں"

" پھر ہم کیا کریں؟" میں نے پوچھا۔ ایران کی تلوار زنگ آلود ہے اور جو بھی ترکوں کے خلاف لڑتا ہے زار کی حمایت کرتا ہے، " مصطفےٰ خاموش رہا اس کی آنکھوں سے یاسیت چھلک رہی تھی۔

" علی خان۔ ہم کیا کریں۔ یہ میں بھی نہیں جانتا"

میں نے کہا مصطفےٰ ہماری قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی ہمیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔ لیکن آج میں تم سے کسی اور موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں"

" مجھے معلوم ہے تم شادی کرنا چاہتے ہو" اس نے اپنے ناخنوں پر سے گہری نظریں ہٹاتے ہوا اچانک کہا۔

میں اچھل پڑا۔" تمہیں اس کا کیسے معلوم ہوا اور تم اس سلسلہ میں کیا کر سکتے ہو"

"یہ میں نے تمہاری آنکھوں میں پڑھا تم نینو سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ جو عیسائی ہے اور میری ذات سے نفرت کرتی ہے۔" اس نے کہا۔

میں نے اقرار کیا کہ بات ایسی ہے لیکن وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

اس نے کہا کہ مجھے شادی ضرور کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے عورت زمین کے ایک ٹکڑے کی مانند ہوتی ہے جس میں مرد بیج بوتا ہے عورت کا باعصمت ہونا ضروری ہے اس کا ذہانت و مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

جب میں تاریک گلیوں سے گزرتا ہوا گھر واپس جا رہا تھا تو مصطفےٰ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحوں کے ناطے میرے قدم کچھ اور مضبوط ہو گئے تھے۔

میں اپنے والد کے ساتھ دیر سے صحرا میں گھوڑا بھگا رہا تھا۔ میں نے انہیں ان کے نام سے پکارتے ہوئے کہا "صغر خان میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔ ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ میں انہیں نام سے پکاروں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ بات کرو۔ گھوڑا اور سوار جب یکجا ہوں تو گفتگو آسان ہو جاتی ہے۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا۔ ایک طویل خامشی نے ہمیں آ لیا ہوا کی سرسراہٹ اور گھوڑوں کے قدموں تلے روندے جانیوالے کنکروں کی آواز کے سوا، ایک گھمبیر سناٹا تھا آخر والد صاحب کی آواز نے سناٹا توڑ دیا۔

"ٹھیک ہے میں تمہارے لئے مکان تعمیر کرا دونگا۔ تم اپنے پہلے بیٹے کا نام ابراہیم رکھنا اپنے خاندان کے بانی کی یاد میں۔" ایک مرتبہ پھر خاموشی تھی۔ جسے والد صاحب نے توڑا۔

"تم نے لڑکی پسند کر لی ہے یا میں تمہارے لئے کوئی خوبصورت بیوی تلاش کروں۔ کیونکہ آج نوجوان اپنے لئے خود ہی لڑکی پسند کرتے ہیں۔"

"میں نینو کیبیانی سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا۔ میں نے والد صاحب کو بتایا کہ میں نینو کیبیانی سے محبت کرتا ہوں اس لئے اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ والد صاحب نے کہا کہ آؤ کسی پتھر کے سائے میں بیٹھ کر ناشتہ کریں۔ اور ہم ایک پتھر کے قریب

بیٹھ گئے۔ مجھے بھوک نہیں تھی۔ والد صاحب ناشتہ کرنے لگے۔ انہوں نے دور صحرا میں نظریں مرکوز کرتے ہوئے کہا" یہ اچھی بات ہے کہ تم شادی کر رہے ہو۔ میں نے تین شادیاں کی تھیں لیکن تینوں بیویاں ایسے مر گئیں جیسے خزاں میں مکھیاں مرتی ہیں۔ عورت سے محبت کرنا لیکن کام ہمیشہ مشوروں کے برخلاف کرنا۔

"لیکن میں تو اس سے محبت کرتا ہوں" میں نے کہا۔

میرے والد ہنس پڑے انہوں نے کہا مرد کی زندگی میں محبت سب سے اہم نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنے وطن سے محبت کرتا ہے" میں ان کی باتیں سن کر سوچ میں ڈوب گیا کچھ دیر بعد میرے والد نے ہنستے ہوئے کہا" ٹھیک ہے میں کل شہزادہ کیپیانی کے پاس جا کر اس سلسلہ میں گفتگو کر دوں یا آج کل کے نوجوان اپنے رشتے خود طے کرتے ہیں۔

"میں خود کیپیانی سے بات کروں گا" میں نے شتابی سے کہا۔

ہم دوبارہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں فوجی بارکوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ہم پریڈ گراؤنڈ چلے گئے اور وہاں محمد حیدر اور الیاس بیگ سے ملاقات کی۔ گھر آکر میں اپنے کمرے میں لیٹ گیا جو گرمیوں میں ٹھنڈا رہتا ہے۔ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری جانب نینو تھی۔

"علی خان۔ میں گرمی اور ریاضی سے مر رہی ہوں۔ آؤ میری مدد کرو"

دس منٹ بعد میں نینو کی پھیلی ہوئی بانہوں میں تھا۔ اس کی انگلیاں روشنائی سے آلود تھیں۔ میں نے انہیں چوم لیا۔ "نینو آج میں نے والد صاحب سے بات کی تھی وہ راضی ہیں" نینو ہنسی اور اس نے شرم سے کمرے کے اطراف میں نظر دوڑائی۔ حیا سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ بالکل میرے قریب کھڑی تھی اور میں نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا اس نے سرگوشی میں کہا کہ علی خان میں خوفزدہ ہوں! بہت خوفزدہ ہوں۔

امتحان کی وجہ سے! میں نے پوچھا۔

نہیں! وہ کچھ دور گئی اور سمندر کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ سے بالوں کو جھٹک دیا اور بولی علی خان! ایک ٹرین ایکس ٹاؤن سے وائی ٹاؤن کی طرف پچاس

میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے۔

مائی ڈیئر! میں اس کی اسکول کی کتابیں موڑ کر رکھ دیتا ہوں۔

میں پاگلوں کی طرح بھاگ رہا تھا کہ کسی سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ اس نے مجھے بازوؤں میں تھام لیا تھا۔ کیا ہوا علی خان" وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ یہ تمارین تھا۔ میں اس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے مجھے مضبوطی سے پکڑا اور کیفے میں لے آیا۔ میں نے اسے سارا واقعہ سنایا کہ میرے نینو کا رشتہ مانگنے پر کس طرح پرنس کیپیانی نے انکار کر دیا۔" اس نے کہا کہ کیا یہ بہتر ہے کہ تم اس کا انتظار کرو۔ جب تک جنگ ختم نہیں ہو جاتی تب تک تمہاری عمر بھی زیادہ ہو جائے گی اور جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی اگر تمہارے دلوں میں ایسی محبت برقرار رہی تو پھر ہم اس مسئلے پر گفتگو کریں گے۔"

"اب تم کیا کرو گے" اس نے پوچھا۔

" میں نینو کو اغوا کر کے ایران لے جاؤں گا۔ میرے والد کو پتہ چلے گا تو وہ میرا مذاق اڑائیں گے کہ ایک عیسائی خاندان نے شیروان شیر خاندان کے مسلمان کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ کیپیانی نے انکار کر کے ہماری توہین کی ہے" میرا گلا شدت جذبات سے رندھ گیا۔

"میں تمہارے جذبات سمجھتا ہوں" تمارین نے کہا۔

اس نے تمہیں انکار نہیں کیا۔ لیکن یہ جنگ جانے کب ختم ہو۔ وہ دراصل اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکا کہ اس کی بیٹی جوان ہو گئی ہے۔ اسے اگر اس شادی کی سیاسی اہمیت سمجھائی جائے تو وہ راضی ہو جائے گا۔"

"مگر اسے سمجھائے گا کون؟" میں نے پوچھا

" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا" مجھ پر بھروسہ کرو۔ یہ کام میں کروں گا۔"

میں نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا اور میرے ذہن میں مختلف خیالات کلبلانے لگے کہ وہ آخر میری مدد کیوں کرنا چاہتا ہے۔ وہ کچھ بھی تھا۔ لیکن بظاہر میرا ہمدرد

تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔" آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تمہیں باخبر رکھونگا۔ اور اغوا کی کوشش نہ کرنا یہ تو آخری حل ہوتا ہے۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ میرے اندر ایک قوی احساس تھا کہ میں اس پر بھروسہ کر سکتا ہوں راستے میں، میں سوچ رہا تھا کہ اچھا ہوا جو میں نے کیپیانی خاندان کے گھر اس مقصد سے جانے کی اطلاع والد صاحب کو نہیں دی۔ ورنہ سخت خفت اٹھانا پڑتی۔ اس روز کے بعد میں نے اپنا زیادہ تر وقت گھر پر ہی گزارنا شروع کیا۔ میرے کان ہر لحہ ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز کے منتظر رہتے۔ اور نینو ٹیلیفون پر تمادین کی کوششوں کی اطلاع دیتی رہتی۔ جو وہ شہزادہ کیپیانی کو رام کرنے کے لئے کر رہا تھا اس دوران ایک مرتبہ نینو سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اس کی والدہ نے کہا کہ وحشی مسلم سے اس کا رشتہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے والد نے کسی قدر مزاحیہ انداز میں کہا تھا کہ میں اسے ضرور حرم میں ڈال لوں گا۔ پھر نینو انتہائی دکھ سے کہنے لگی "علی اگر یہ جنگ دس برس تک جاری رہی تو ہم کیا کریں گے؟" میں نے پوچھا " نینو کیا تم مجھ سے واقعی اس قدر محبت کرتی ہو؟"

شدت جذبات سے نینو کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس نے کہا۔" ہم دونوں ایکدوسرے کے لئے ہیں۔ میرے والدین میری راہ میں دشواریاں پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اور تم مجھے اغوا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" پھر وہ خاموش ہو گئی اور مزید کوئی گفتگو کئے واپس چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک مرتبہ پھر ٹیلیفون کا کھیل شروع ہو گیا۔

آخر ایک دن نینو نے بتایا کہ میرے بارے میں اس کے گھر والوں کی رائے بدل گئی ہے۔ اس کی ممی کا خیال ہے کہ بعض مسلم گھرانے بھی تہذیب یافتہ ہوتے ہیں اور علی خان بھی ایک مہذب نوجوان ہے اس کے دو دن بعد نینو نے اطلاع دی کہ اس کے والدین شادی پر رضامند ہو گئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا۔" چونکہ تمہارے والد نے میری بےعزتی

کی تھی۔ اس لئے اب انہیں چاہیئے کہ وہ مجھے بلائیں۔

"نینو نے کہا۔ یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو"

اور ایک دن شہزادہ کیپیانی نے مجھے فون پر گھر آنے کی دعوت دی۔ میں اپنی بچی کا دل توڑ کر گنہگار نہیں ہونا چاہتا۔

"آؤ۔ علی خان" اس نے کہا جب میں گھر پہنچا تو نینو کی ممی نے مجھے بوسہ دیا اور پرنس کیپیانی شادی کے متعلق گفتگو کرتا رہا جو والد صاحب کے انداز سے مکمل طور پر مختلف تھا۔ میں نے حرم نہ رکھنے اور نینو کو پردہ نہ کرانے کا حلفیہ وعدہ کیا۔

میں باہر آیا تو تمارین کار میں میرا منتظر تھا۔ میں نے کہا

"بولو۔ کیا مانگتے ہو" اس نے کہا

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہیئے۔ میں نے تقدیروں کو بدل دیا۔ میرے لیۓ یہی کافی ہے" گھر پہنچکر میں نے والد صاحب سے کہا کہ کیپیانی خاندان نے اپنے اس اعزاز کے لئے شیروان شیر خاندان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اب نینو میری منگیتر ہے۔ آپ کل جاکر باقی معاملات طے کرلیں۔" میں اس روز بہت تھکا ہوا تھا۔ اور بہت خوش بھی۔

گزرتے وقت کے ساتھ ہی دنیا اور میرے ملک بلکہ گھر میں بہت کچھ ہو چکا تھا۔ لیکن اب بھی اونٹوں کے قافلے، صحرا کی ریت سے آلودہ، تھکی تھکی آنکھوں سے آتے تھے۔ دنیا قصبہ اور میرے گھر میں بہت کچھ بدل گیا تھا اور سب کچھ ویسا ہی تھا۔ میں چائے خانوں، کافی ہاؤس اور دوستوں کے گھر میں وقت گزارتا۔ اوپیرا تھیٹر اور سینما گھر کھلے ہوئے تھے، جیسے کہ جنگ سے پہلے کھلے تھے۔ اور ایک دن نینو کا نتیجہ نکل آیا۔ وہ پاس ہو گئی تھی۔ جب میں نینو کو لے کر اس کے گھر پہنچا تو شہزادہ کیپیانی نے کہا،" اب تم نینو کے منگیتر ہو۔ تم اپنا سامان باندھ کر ہمارے ساتھ طفلس چلو۔ میں تمہارا خاندان کے دوسرے افراد سے تعارف کراؤں گا۔" یوں ہم جارجیا کے دارالحکومت طفلس چلے گئے۔

طفلس میرے لئے ایک جنگل کی طرح تھا۔ جس کے ہر درخت کا اپنا نام تھا اور مجھے

ہر رشتہ دار کا نام یاد رکھنا بہت مشکل تھا۔ ایک ہفتہ طفلس میں بیت چکا تھا۔ لیکن ابھی تک دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا میں اب تھک چکا تھا۔

دعوتوں کے طویل اور تھکا دینے والے سلسلہ میں آج ہمارا آرام کا دن تھا اور آج میں اور نینو گولو ونسکی اسٹریٹ میں ایک کیفے میں بیٹھے ماؤنٹ ڈیوڈ کی جانب دیکھ رہے تھے جس پر وہ قبر تھی۔ جس کی ہم زیارت کرکے آئے تھے۔ مشہور شاعر اور زار کی حکومت کا ایک وزیر الیگز نیڈر دفن ہے۔ اس کی قبر پہ کندہ تھا "تمہارے کارنامے کبھی فراموش نہیں کئے جائیں گے اور نینو سے تمہاری محبت بھی ناقابل فراموش رہے گی۔" وہ سولہ برس کی تھی جب وزیر نے اسے اپنی دلہن بنایا۔ وہ سترہ سال کی تھی جب تہران میں ہجوم نے ان کے گھر کو گھیر لیا۔ وزیر کے پاس صرف چھوٹی سی تلوار اور پستول تھا۔ ایک لوہار نے ہتھوڑا مار کر وزیر کے سینے کے ٹکڑے کر دیئے۔ کئی روز بعد تک اس کی لاش کے ٹکڑے اور سر جو کتے نوچ چکے تھے سڑک پر پڑا رہا۔ فتح علی شاہ قاچار مطمئن تھا اور عباس مرزا بہت خوش۔ اور حملہ آوروں میں شامل میشی آغا کو بڑا انعام ملا تھا اور میرے چچا کو گیلان میں زمینیں۔ یہ سو سال قبل کی بات ہے۔ میں ایک شیروان شیر تھا اور نینو اس کی پڑپوتی اور یوں ہم دونوں ایک دوسرے کے خونی دشمن ہوئے۔ میں نے پہاڑ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نینو۔ کیا تم میری قبر پہ بھی اتنا خوبصورت کتبہ لگاؤ گی؟"

"ہو سکتا ہے۔" نینو نے کہا

"لیکن اس کا تعلق تمہارے اس رویّہ سے ہے جو تم مجھ سے زندگی کے دوران رکھتے ہو۔" اسی دوران اس نے اپنی کافی کی پیالی خالی کر دی آؤ۔ ٹہلتے ہیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ ہم دونوں ٹہلتے اور مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے نینو کی قبر تک جا پہنچے نینو مقبرے میں داخل ہو گئی اور سامنے دیوار پہ لگی تصویر کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا "مقدس نینو مجھے معاف کر دو۔" میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔"

"اب باہر آجاؤ"۔ میں نے کہا۔ اور وہ انتہائی سعادت مندی سے باہر آگئی۔

"تم نے مقدس نینو سے کس بات کی معافی مانگی تھی۔" میں نے پوچھا۔ اس نے مختصر سا جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔ "تمہارے وجود کی علی خان"۔

ہم طفلس کے بازاروں میں پھر رہے تھے۔ نینو نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے یہاں کوئی عورت نقاب میں دیکھی ہے۔ کیا یہاں ایشیا کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ تیمور لنگ نے سات بار اس شہر کو برباد کیا۔ لیکن چونکہ ہم نے تیمور، چنگیز خان۔ شاہ عباس۔ شاہ طہماسپ اور شاہ اسماعیل کا مقابلہ کیا اسی لئے آج تمہاری نینو کا وجود ہے۔ میں سوچتی ہوں۔ میری بیٹیاں نقاب پہنیں گی اور جب ایران کی تلوار تیز ہو گی میرے بیٹے اور پوتے ایک مرتبہ پھر طفلس کو تباہ کر دیں گے۔ علی خان کاش ہمارا تعلق مغربی دنیا سے ہوتا"۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"نینو۔ تم کیا چاہتی ہو۔ میں کیا کر دوں؟"

"اوہ علی خان۔ میں کتنی احمق ہوں"۔ اس نے کہا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم کھلی کشادہ سڑکوں اور سرسبز درختوں سے پیار کرو اور ایشیاء کے قصبہ کی بوسیدہ دیوار سے نہ چمٹے رہو۔ مجھے خوف ہے کہ دس سال کے عرصہ میں تم مذہبی ہو جاؤ گے اور گلجان میں بیٹھ کر ایک دن کھو گے"۔ نینو۔ تم صرف زمین کا ایک ٹکڑا ہو۔ مجھے بتاؤ کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو"۔

میں نے اسے یقین دلایا کہ میں تو اس کی آواز اس کی ناک اس کے جسم کی مہک اور اس کی چال سے بھی محبت کرتا ہوں۔ اور یہ کہ ایران میں بھی جارجیا کی طرح لوگ محبت کرتے ہیں دراصل نینو اپنا وطن چھوڑنے کی وجہ سے ذہنی طور پر بہت پریشان تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اس کی روح سے بھی محبت کرتا ہوں۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ میں اس کی روح سے بھی محبت کرتا ہوں اور پھر اس سے پوچھا کہ کیا وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے؟ میرا سوال سن کر وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔ آنسو اس کے گالوں سے بہہ رہے تھے۔ ہم اس وقت بازار سے گزر رہے تھے اس نے کہا "علی خان میں تم سے محبت کرتی ہوں اور میں کتنی بیوقوف ہوں جو کسی بھی مسلم کے عمل کا ذمہ دار تمہیں ٹھہراتی ہوں۔ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ مجھے معاف

کردو۔ لیکن میں، تمہاری نینولیوریپ کا ایک ننھا حصہ ہے ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن مجھے جنگل اور سرسبز و شاداب علاقے پسند ہیں جب کہ تم پہاڑوں اور صحراؤں سے محبت کرتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ مجھے تمہاری محبت اور تمہاری دنیا سے خوف آتا ہے۔" اتنے میں نینو نے اپنے آنسو خشک کیے اور مسکراتی ہوئی آنکھوں سے کہا۔

"ہاں آئندہ تین ماہ میں ہماری شادی ہو جائے گی۔ تم اور کیا چاہتے ہو۔ یہ کہکر وہ مسکرانے لگی۔ یہ نینو ہی تھی جو ایک ہی سانس میں محبت بھی کر سکتی تھی اور نفرت بھی۔ آنسوؤں سے رو بھی سکتی تھی اور ہنس بھی سکتی تھی۔ نینو کی اداسی بازار کی رونق کے ساتھ دور ہو گئی واپسی کے سفر میں کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مینو نے کہا، "تمہیں زار کا ذکر اس قدر بیرحمی سے نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ ترکوں کے خلاف ہمارے محافظ ہیں۔" میں نے کہا، "وہ تمہارے ملک کے آدھے حصے پر قابض ہیں۔"

"میرا ملک؟ تمہارا ملک کونسا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہمارے لئے ذرا حالات مختلف ہیں۔ ہم اوکھلی ہیں اور تھوڑا گرانڈ ڈیوک کے ہاتھ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ڈیوک سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اور تم انور پاشا سے محبت کرتے ہو۔ اس بیوقوف کو تم کبھی ہمارے قصبہ میں داخل ہوتا نہیں دیکھو گے۔ گرانڈ ڈیوک ضرور جیتے گا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا، "اللہ بہتر جانتا ہے۔"

—— ۶ ——

نینو کا اغوا تمارین کا قتل

آج کے نوجوان خنجر نکالنے میں بہت
جلدی کرتے ہیں۔ کوشش کریں آپ
کا بیٹا شہر میں نظر نہ آئے۔

گرانڈ ڈیوک کی افواج تبریز کی راہ پر تھیں وہ کردیہاڑیوں پر قبضہ کر چکی تھیں آدھا ترک اور آدھا ایران روسی جنرل کے قبضہ میں تھا جس نے جارجیا کے معززین کے سامنے ایا صوفیہ پر بازنطینی صلیب گاڑنے کی قسم کھائی تھی۔ میرے والد پر ایک گھمبیر سی خاموشی طاری تھی۔ وہ اکثر اوقات مختلف نقشے پھیلائے روسی افواج کے قبضے میں چلے جانیوالے شہروں اور قصبوں پر نشان لگاتے رہتے۔ اور میری حالت یہ تھی کہ شہر کے جوہریوں، کتابوں کی دکانوں کے چکر لگاتا رہتا۔ تحفے خریدتا اور نینو کو پیش کرتا۔ میں جب بھی نینو کو دیکھتا تو گرانڈ ڈیوک اس کی دھمکیاں، اور جنگ سب گھنٹوں کے لئے میرے ذہن سے محو ہو جاتے۔

ایک دن میرے والد نے کہا۔ "آج رات گھر پر ٹھہرنا۔ کچھ مہمان آنیوالے ہیں۔ اور بعض اہم امور پر تبادلہ خیال ہوگا۔" میں نے اسی رات کے لئے اوپیرا کی بکنگ کرا لی تھی۔ نینو کو اس سے بہت دلچسپی تھی۔ میں نے الیاس بیگ کو فون کیا کہ وہ میری جگہ نینو کو اوپیرا دکھانے لے جائے۔ مگر اس نے معذرت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اور رحیدر آج رات کی ڈیوٹی پر ہیں۔ میں نے مصطفےٰ کو فون کیا تو وہ بھی مصروف تھا۔ سب سے مایوس ہو کر میں تمارین کو فون

کیا۔ میری دعوت سن کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے بعد میں نے نینو کو فون کیا اور اسے بتایا کہ مہمانوں کی وجہ سے اس کے ساتھ نہ جا سکونگا اور تمارین اسے لینے آجائے گا۔

سات بجے ہمارے ہاں مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ یہ وہی مہمان تھے جن کی مجھے پہلے سے توقع تھی۔ الیاس بیگ کے والد سینال آغا آئے ان کے بعد دونوں بھائی علی اسد اللہ اور مرزا اسد اللہ آئے۔ مہمانوں میں یوسف دوغلی بھی تھے جو ہر فرد سے حسد کرتے تھے۔ کیونکہ یوسف دوغلی کی صرف ایک بیوی تھی اور آغا موسیٰ نقی بھی جو اب مسلمان نہیں تھے کیونکہ انہوں نے محمد علی باب کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ لیکن لاکھوں روبل کے مالک ہونے کی وجہ سے اس محفل میں شریک ہونے کا حق رکھتے تھے۔ آٹھ بجے تک تمام مہمان جمع ہو چکے تھے وہ چائے پی رہے تھے اور مٹھائیوں سے دل بہلا رہے تھے اور ساتھ ہی حالاتِ حاضرہ پر بحث ہو رہی تھی۔

جب رات کے ساڑھے دس بجے تو سب مہمان چلے گئے میں آج کی گفتگو سے بہت مایوس تھا۔ میں گھر سے نکلا اور نینو کے گھر کے سامنے سے ہوتا ہوا فوجی بیرکوں میں پہنچا جہاں محمد حیدر اور الیاس بیگ موجود تھے۔ گفتگو ہونے لگی اچانک کسی نے دروازے کو زور سے کھٹکھٹانا شروع کیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر مصطفےٰ کھڑا تھا اس کی پگڑی اس کے گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ اس کی سبز پٹی بھی ڈھیلی ہو رہی تھی اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا "تمارین نے نینو کو اغوا کر لیا ہے اور اس وقت وہ ماردکانی روڈ پہ جا رہے ہیں"

محمد حیدر اچھل پڑا۔ میں گھوڑے پر زین کستا ہوں" یہ کہہ کر وہ باہر بھاگا۔ میرے سر میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ مجھے الیاس بیگ کی آواز دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور مجھے اپنے پر قابو پانے کی ترغیب دے رہا تھا اس نے اپنا پستول نکال کر مجھے دیا جسے میں نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے خنجر میری کمر میں اڑس دیا۔ مصطفےٰ واقعہ کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ میں نے نینو کو تمارین کی

کار میں سوار ہوتے دیکھا۔ کار اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے نینو کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی یہ نہیں۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔" تمارین کہہ رہا تھا میں تم سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں ایشیا کے تینے سے بچا سکتا ہوں۔" لیکن نینو کہہ رہی تھی۔ " نہیں تم مجھے گھر پہنچا دو۔" تمارین نے کار اسٹارٹ کی اور میں کار کے پیچھے لٹک گیا۔ کار کیپیانی کے گھر کے سامنے رکی۔ وہ تمام راستہ نہ جانے کیا باتیں کرتے رہے تھے۔ میں نہیں سن سکا۔ اچانک تمارین نے نینو کو اپنی آغوش میں لے لیا اور چہرے کو چومنے لگا۔ وہ جذباتی طور پر کہہ رہا تھا۔" میں تمہیں وحشیوں کے ہاتھوں میں نہیں جانے دوں گا۔" میں مزید گفتگو نہیں سن سکا۔ لیکن آخر میں تمارین نے کہا" ماروکا نجی چلتے ہیں۔ وہاں سے ماسکو جہاں ہم شادی کریں گے اور پھر سویڈن چلے جائیں گے۔ میں نے دیکھا کہ نینو اسے دھکیل رہی ہے لیکن تمارین نے کار اسٹاٹ کر دی اور میں تمہیں اطلاع دینے کے لئے بھاگا۔ اب اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ محمد حیدر کمرے میں داخل ہوا اس نے اطلاع دی کہ یہ گھوڑے تیار ہیں۔" ہم باہر کی جانب بھاگے۔ باہر گھوڑے کھڑے تھے۔ محمد حیدر نے کہا" تم اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔" میں حیران رہ گیا۔ سامنے کیمپ کمانڈنٹ میکوف کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اس جیسے دنیا بھر میں صرف ۱۲ گھوڑے تھے اور اس گھوڑے پر اس کے سوا کسی نے سواری نہیں کی تھی۔ محمد حیدر نے کہا" وقت ضائع نہ کرو۔ تم انہیں پکڑ لو گے۔" میں اچھل کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور وہ برق رفتاری سے فاصلہ طے کرنے لگا۔ اس کے سموں سے شرارے نکل رہے تھے۔ اس کی رفتار کے سامنے گھر رقص کر رہے تھے۔ میرے ذہن میں مختلف خیالات امڈ رہے تھے تصور میں نینو اور تمارین کو گفتگو کرتے ہوئے بھی دیکھ رہا تھا۔ جہاں تمارین، نینو سے اپنی محبت کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔

میں انتہائی جوش میں تھا۔ میں نے گھوڑے کو ایک چابک رسید کیا اور صحرائی بھیڑیئے کی مانند غرایا اور اپنا سر گھوڑے کی گردن سے ملا دیا اور میرے دانت اس کی گردن میں اتر گئے۔ میرا منہ خون سے بھر گیا۔ مجھے خیال آیا کہ باکو کے دوسرے افراد کی طرح تمارین کا بھی وہاں مکان ہے۔ پھر میرے سامنے نینو کی آنکھیں آ گئیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس لڑکے

علاقے میں ایسی ہموار سڑکیں نہیں بنائی گئیں جن پر موٹر کاریں تیز رفتاری سے سفر کر سکیں ہمارے گھوڑے کاروں سے زیادہ تیز رفتار ہیں۔

آخر کار کی آواز سنائی دی۔کار آگے آرہی ہے اس کی سامنے کی مدہم روشنی دکھائی دینے لگی ہے اب میں کار کے اس قدر قریب ہوں کہ تمارین کو دیکھ سکتا ہوں۔اور نینو ایک گوشہ میں سمٹی نظر آرہی ہے۔میں اپنا پستول نکالتا ہوں اور اسے کہتا ہوں تو اپنا فرض انجام دے میں گولی چلاتا ہوں جو داہنے ٹائر میں لگتی ہے اور پھر غبارے کی مانند اس میں سے ہوا نکل جاتی ہے۔میں پستول پھینک دیتا ہوں درحقیقت مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کر رہا ہوں۔خون میری کنپٹیوں میں اچھل رہا ہے۔کار میں دو خوفزدہ چہرے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔تمارین کے ہاتھوں میں ریوالور ہے۔میں خنجر نکال کر اس کا نشانہ لیتا ہوں۔میرا نشانہ خطا نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس شیروانِ شیر کی اولاد ہوں جس نے دہلی فتح کیا تھا۔تمارین کے ہاتھ سے خون بہنے لگتا ہے اور وہ کار سے نکل کر بھاگتا ہے۔نینو کا چہرہ بے تاثر ہے میں گھوڑے سے اتر کر تمارین کا پیچھا کرتا ہوں۔جو خاردار جھاڑیوں میں اپنے فربہ جسم کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔خاردار جھاڑیوں سے الجھ کر اس کے ہاتھوں سے خون بہنے لگتا ہے۔میں اس کے پیچھے بھاگتا ہوں اور اسے کاندھے سے جا پکڑتا ہوں۔وہ میری طرف نفرت بھری نظروں سے دیکھتا ہے ہم ایک دوسرے پر پل پڑتے ہیں۔میں اسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیتا ہوں۔ہم زمین پہ گر پڑتے ہیں تمارین میری کمر میں لگا ہوا میرا خنجر نکال لیتا ہے میں وار بچاتا ہوں لیکن میری پسلیاں کس قدر زخمی ہو جاتی ہیں۔میں خنجر اس کے ہاتھ سے چھین لیتا ہوں خنجر میرے ہاتھ میں ہے۔اور وہ نیچے گرا ہوا ہے۔یکا یک پیچھے سے آواز آتی ہے۔

"اسے قتل کر دو علی خان۔اسے قتل کر دو" یہ محمد حیدر کی آواز تھی۔میں نے خنجر اس کے سینے میں اتار دیا۔محمد حیدر خوش ہے "میری پسلیوں میں درد ہو رہا ہے الیاس بیگ اور مصطفےٰ بھی آچکے ہیں۔مصطفےٰ نے نینو کو سہارا دے رکھا ہے۔وہ مجھ سے کہتا ہے۔

"علی خان اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے۔اس کے سینے میں خنجر بھی اتار دوں

یا تم ؟"

"علی خان اسے قتل کر دو"، محمد حیدر نے کہا۔

میں الیاس بیگ کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوں۔ جو چاک کی طرح سفید ہے۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہتا ہے "ٹھیک ہے ہم اس کی لاش سمندر میں پھینک دیں گے"

میں نینو کے قریب کھڑا ہوں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ وہ خاموش کیوں ہے آہ وزاری کیوں نہیں کر رہی ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ تمارین نے اسے ضرور چوما ہو گا۔ میں الیاس بیگ کو مخاطب کر کے کہتا ہوں۔ الیاس بیگ۔ نینو کو اس کے گھر پہنچا دو۔ اس کو سردی لگ رہی ہو گی کوئی گرم چیز اڑھا دو۔ الیاس بیگ اگر نینو بہ حفاظت گھر نہ پہنچی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ محمد حیدر، مصطفےٰ مجھے گھر لے چلو۔ میں زخمی ہوں"۔ سید مصطفےٰ کہتا ہے "علی خان اس عورت کی قسمت کا فیصلہ تمہاری مرضی پر ہے۔ تم چاہو تو اس کی جان لے لو۔ چاہو تو اسے بخش دو شرع یہی کہتی ہے"۔

ہم رات میں باکو کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

میں بستر پر لیٹا ہوں اور ایک افسردگی ہے جس نے مجھے حصار میں لے رکھا ہے۔ میری پسلیوں میں درد ہو رہا ہے۔ چرس ملی تمباکو کی وجہ سے میری ذہنی کیفیت عجیب تھی اور افراد دھندلے نظر آ رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے انسپکٹر۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے چچا کے پاس ایران چلا گیا ہے" پھر میں انسپکٹر کی غصہ بھری آواز سنتا ہوں۔ "آپ کے بیٹے کے خلاف وارنٹ نکل چکا ہے۔ اس پر قتل کا الزام ہے۔ اگر وہ ایران میں بھی ہے تو ہم اسے پکڑ لیں گے"۔ والد صاحب کی دوبارہ آواز سنائی دی "میرا بیٹا بے گناہ ہے دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں سنا سکتی۔ اس نے جو کچھ کیا درست تھا"

اس کے بعد کاغذوں کی آواز سنائی۔ گویا میرے والد انسپکٹر کو نئے نئے نوٹوں کی صورت میں رشوت دے رہے تھے۔ اب انسپکٹر کی آواز میں وہ سختی نہیں تھی۔ بلکہ لہجہ میں نرمی اور

بے پروائی تھی۔" اہ۔ یہ آج کے نوجوان خنجر نکالنے میں بہت جلدی کرتے ہیں۔ میں سرکاری ملازم ہوں۔ آپ کوشش کریں کہ آپ کا بیٹا شہر میں نظر نہ آئے۔" اس کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے اور پھر گہری خاموشی چھا جاتی ہے۔ کچھ دیر بعد میں بستر پر بیٹھا ہوں اور میرے سامنے محمد حیدر اور الیاس بیگ فوجی وردی میں ملبوس کھڑے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ انہیں محاذ جنگ پر تعینات کیا گیا ہے۔ اس لیئے وہ ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ میرے پوچھنے پر کہ کیوں۔ اس نے بتایا کہ کمانڈر میلکوف کو جب گھوڑے کے استعمال کا واقعہ معلوم ہوا تو اس نے گھوڑے کی شکل دیکھنے سے انکار کر دیا اور حکم دیا ہے۔ کہ اسے گولی مار دی جائے۔ اس کے بعد اس نے ہمارا کورٹ مارشل کرنا چاہا۔ لیکن میرے والد کے اثرورسوخ کی بنا پر وہ نہ ہوا اور اب ہمیں محاذ پر تعینات کر دیا گیا۔ میں نے ان سے معذرت چاہی کہ میری غلطی کی وجہ سے انہیں پریشانی اٹھانا پڑی۔ اس کے بعد ہم گلے ملے اور وہ روانہ ہو گئے۔ میں ایک مرتبہ پھر تکیوں کے سہارے پلنگ پر لیٹ گیا اور ایک مرتبہ پھر نشہ و غنودگی کی ملی جلی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی دوران میں والد صاحب اور شہزادہ کیپیانی کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ شہزادہ کیپیانی والد صاحب سے کہہ رہا ہے۔" اب میری بیٹی اور تمہارے بیٹے کی شادی ہو جانی چاہیئے۔" والد صاحب جواب دیتے ہیں۔ شہزادہ علی خان اب تمہاری بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا۔ تمارین کا خاندان اس سے بدلہ لینے پر تلا ہوا ہے۔ میں نے اسے ایران بھجوا دیا ہے۔ اس کی زندگی ہر لحظہ خطرے میں ہے۔ اب وہ تمہاری بیٹی کے لئے موزوں شوہر نہیں رہا۔"

شہزادہ کیپیانی کہتا ہے۔ خان۔ ہم اس کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں ہندوستان یا اسپین بھیج سکتے ہیں۔ میری بیٹی کی رسوائی ہوئی ہے اور اسے صرف شادی سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔

"لیکن اس کا ذمہ دار علی خان نہیں ہے۔ مجھے امید ہے تمہیں کوئی روسی یا آرمینی متبادل مل جائے گا۔" میرے والد کا جواب تھا۔ دونوں کے درمیان چند لمحے کی گفتگو کے بعد فضا پر ایک خاموشی چھا جاتی ہے۔

میں کمرے میں لیٹا ہوا ہوں کہ اچانک دروازہ کھلتا ہے اور ملازم اندر داخل ہوتا ہے۔ میں استعجاب سے اسے دیکھتا ہوں۔ چند لمحوں بعد اس کے پیچھے والد صاحب بھی کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اب روز پولیس یہاں آنے لگی ہے اور ساتھ تمارین کے آدمی بھی تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ بلکہ چھ افراد ایران بھی جا چکے ہیں۔ میں نے گھر کی حفاظت کے لئے ۲۰ افراد کا انتظام کیا ہے۔ گھوڑے کی وجہ سے کاؤنٹ میلکوف نے بھی بدلہ لینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اب تمہارا یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے تمہیں داغستان پہنچا دیا جائے۔ وہاں تمہیں اس وقت تک ٹھہرنا ہو گا جب تک کہ پولیس اس معاملہ کو فراموش نہیں کر دیتی اور دشمنوں سے صلح نہیں ہو جاتی

میں رات کا طویل سفر کر کے داغستان پہنچتا ہوں۔ جہاں والد صاحب کے دوست قیسی ملّا نے میری رہائش اور کھانے کا انتظام کر دیا ہے۔

داغستان ایک عجیب علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں کوئی شخص بیمار نہیں ہو سکتا۔ جہاں کے لوگ کھیتی باڑی کے لئے مٹی دور دراز گاؤں قصبوں سے انتہائی مہنگی خرید کر لاتے ہیں۔ اور پھر اسے اپنے کھیتوں میں بکھیرتے ہیں تاکہ فصل اگا سکیں۔ وہ اس مٹی کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں۔ چھوٹے کھیتوں کے گرد دیواریں اٹھاتے ہیں اور تیز ہواؤں سے مٹی کی حفاظت گھر کی چادروں اور کمبلوں کو بچھا کر کرتے ہیں۔

ایک روز اسی گاؤں میں میری ملاقات ارسلان آغا سے ہوئی۔ وہ باکو سے آیا تھا۔ میں نے اسے مہمان بننے کی دعوت دی اس نے بتایا کہ وہ سفر پہ آگے جا رہا ہے لیکن چونکہ مصطفےٰ نے تمہیں سلام کہا تھا اس لیئے یہاں چلا آیا۔ ارسلان کا رویہ میرے نزدیک مشکوک تھا۔ اس کے ساتھ میری ملاقات خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے وہ باکو جا کر فخر سے اعلان کرنا چاہتا ہو کہ وہ مجھ سے مل کر آ رہا ہے۔ لیکن اس وقت وہ میرا مہمان تھا اور میرے سامنے بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر

سترہ سال سے زیادہ نہیں تھی ۔ وہ یہاں بے مقصد نہیں آیا تھا۔ میں نے شراب کا ایک اور پیالہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "میرے دوست، تم نے آخری مرتبہ سچ کب بولا تھا؟" شراب اس پر پوری طرح اثر جما چکی تھی۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس کے آنے کا یہاں مقصد اس کی اندرونی بے چینی تھی۔ اس نے بتایا کہ باکو میں تمارین کا خاندان میری تلاش میں ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہیں اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ کیپیانی خاندان کے گھر دو، ایک مرتبہ گیا تھا۔ نینو اس دوران شدید بیمار ہو گئی تھی اور وہ اسے طفلس لے گئے تھے۔ لیکن اب واپس باکو آ گئے ہیں نینو سے ایک کلب میں ملاقات ہوئی تھی وہ پانی کی طرح شراب پی رہی تھی۔ الیاس بیگ کو جنگ میں تمغہ اور محمد حیدر کو رقم ملے ہیں۔ نشہ کی ترنگ میں وہ جانے کیا کیا بولتا رہا۔ میں نے اس سے پوچھا "تمہارا کیا بنے گا" وہ نشہ میں مست بولا۔ ہاں میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا اور کیا چاہتے ہو" پھر میں اپنے ملک کی فتوحات کے لئے نکلونگا اور مارا جاؤں گا" میں بے ساختہ ہنس پڑا جس سے وہ یکدم دل برداشتہ ہو گیا۔ وہ نشے میں دھت وہیں لیٹ گیا اور نیند نے اسے آلیا۔

میں باہر آیا اور گاؤں کے ایک چھوٹے سے کھیت کی دلوار پر بیٹھ گیا۔ مجھے اس وقت باکو کی یاد ستا رہی تھی ۔ پھر مجھے نینو کا خیال آیا۔ میرا جی چاہا کہ اسی وقت بھاگتا ہوا باکو پہنچ جاؤں۔ مگر مجھے ضبط کرنا پڑا ۔ کچھ دیر بعد میں اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ارسلان اب بھی زمین پر پڑا سو رہا تھا۔ اس کا سر اس کے وفادار ملازم کی گود میں تھا میں چھت پر چلا گیا اور چرس پینے لگا۔ یہاں تک کہ اذان کی آوازیں آنے لگیں۔

— ۷ —

نینو سے نکاح

سمندر کے قریب پولیس جیلوں میں بند
ہے۔ اب یہاں کوئی فوجی نہیں ہے۔
گورنر بھاگ گیا ہے

مجھے خود بھی نہیں معلوم یہ کیوں کر ہوا ایک صبح میں سو کر اٹھا تو نینو میرے سامنے موجود تھی۔ علی خان۔ تم سست ہو گئے ہو۔" اس نے کہا اور میرے پاس چٹائی پر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا:" یہ چرس کا اثر ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

" تمہیں چرس پینا چھوڑ دینا چاہیئے۔" یکایک میرے ہوش وحواس مکمل طور پر بحال ہو گئے۔ اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نینو۔ میں نے باآواز بلند پکارا۔" تم یہاں کیوں آئی ہو؟" نینو نے اپنا چہرہ میری طرف موڑتے ہوئے جواب دیا۔

" ارسلان آغا نے قصبہ میں موجود ہر شخص کو بتایا ہے کہ تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔ اس لیئے میں صرف اس لئے آئی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔" علی خان۔ میں نے تمہاری جدائی کو بہت شدت سے محسوس کیا ہے۔" اس نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے وقت رک گیا ہو۔ پھر نینو نے کہا:" چونکہ تم مجھے قتل نہیں کر رہے ہو۔ اس لئے میں واپس جا رہی ہوں۔"

" کیا تم اکیلی آئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں مصطفےٰ نے پہنچایا تھا۔ وہ بندوق لیئے باہر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ اگر میں نے تمہیں مایوس کیا تو مجھے قتل کر دے گا۔ اگر میں نے تمہیں مایوس کیا ہے تو پھر تم اسے آواز دے دو۔"

میں اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ باہر میرا دوست مصطفےٰ ہاتھ میں بندوق لیے بیٹھا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"مصطفےٰ کسی مُلا کو بلاؤ۔ اور ایک گواہ کو بلاؤ میں ایک گھنٹہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کسی مُلا کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ صرف دو گواہ کی ضرورت ہے۔ میں خود نکاح پڑھانے کا مجاز ہوں۔" مصطفےٰ نے کہا۔

میں نے دروازہ بند کر دیا۔ نینو میرے پلنگ پر بیٹھی تھی اس کے لانبے لانبے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ میں اس کے قریب ہی لیٹ گیا۔ اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اسی وقت مصطفےٰ کمرے میں داخل ہوا اس نے نئی سبز پگڑی باندھ رکھی تھی اور دو گواہ اس کے ہمراہ تھے اس نے قلم دوات نکال کر ایک کاغذ سامنے پھیلایا اور اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔ پھر مجھ سے پوچھا۔

"آپ کا نام!"

"علی خان شیروانِ شیر۔"

"مذہب۔"

"اسلام۔ شیعہ۔ امام جعفر کا پیروکار۔"

"آپ کی خواہش کیا ہے۔"

اس عورت کے اپنانے کا اعلان کرنا

"محترمہ آپ کا نام"

"شہزادی نینو کیبیانی۔"

"آپ کا مذہب"

"راسخ العقیدہ۔ رومن۔"

"آپ کی خواہش۔"

"اس شخص کی بیوی بننا۔"

"آپ اپنے مذہب پر قائم رہیں گی یا شوہر کا مذہب قبول کریں گی۔"

نینو ایک لمحے کے لئے ہچکچائی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر فخر سے فیصلہ کن انداز میں کہا۔"میں اپنے مذہب پر قائم رہونگی۔"

مصطفٰے کاغذ پہ لکھتا جا رہا تھا۔ اب نکاح نامہ تیار تھا۔

"آپ دستخط کر دیں۔"

مصطفٰے نے مجھ سے کہا۔ میں نے دستخط کر دیئے۔ نینو نے پوچھا۔ میں کس نام سے دستخط کروں۔ اپنے نئے نام سے مصطفٰے نے بتایا۔ اس نے دستخط کئے۔ نینو خانم شیروان شیر۔ پھر گواہوں نے دستخط کئے اور مصطفٰے نے اپنی مہر نکال کر لگا دی۔ اور نکاح نامہ میرے سپرد کر دیا اور مجھے گلے لگا لیا۔ اور فارسی میں کہنے لگا۔"میں اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن ارسلان آغا نے مجھے بتایا کہ تم نینو کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ تم نشے میں غرق رہتے ہو اور خود کو تباہ کر رہے ہو۔

شراب پینا گناہ ہے۔ نینو نے کہا میں اسے یہاں لے چلوں۔ اگر جو کچھ اس نے بتایا ہے درست ہے تو قابل محبت ہے اور اگر غلط ہے تو ہم کل اسے قتل کر دیں گے۔"

"وہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہم پھر بھی اسے قتل نہیں کریں گے۔ اس نے ایک نظر مجھ پر اور دوسری کمرے کے اطراف پر ڈالی اور قہقہہ لگایا۔ ایک گھنٹہ بعد ہم چرس کے دم لگا کر شادی کی تقریب منا رہے تھے۔

زندگی ایک مرتبہ پھر حسین ہو گئی تھی۔ میں ہمیشہ سے زیادہ خوش تھا اور ہر شخص کا مسکرا کر جواب دیتا تھا۔ چونکہ اس گاؤں میں ملازم رکھنے کا رواج نہیں۔ اس لئے نینو نے بھی ملازم رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کھانا پکاتی اور گھر کے تمام کام کاج خود کرتی

میں گھڑ سواری کرتا، شکار کرتا اور نینو کے ہاتھ کے پکے کھانے کھاتا اور ان کے ذائقوں پر حیران ہوتا۔

ہماری صبح یوں ہوتی کہ نینو مٹی کا خالی مٹکا لے کر گاؤں کے قریبی کنوئیں پہ جاتی اور جب واپس آتی تو وہ پانی سے بھرا ہوتا۔ نینو کو معلوم ہو گیا تھا کہ گاؤں کے رسم ورواج کے مطابق میاں بیوی دوسرے لوگوں کے سامنے نہ تو محبت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی جذباتی کیفیت کو ظاہر ہونے دیتے ہیں۔ ایک رات اس نے مجھ سے پوچھا۔

"علی خان۔ تم خوش ہونا۔ میں نے کہا میں تو بہت خوش ہوں اور تم۔ کیا تمہارا دل باکو واپس جانے کو نہیں چاہتا؟"

"نہیں" نینو کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ میں ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ ایک ایشیائی عورت کی طرح، میں اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہوں۔"

ایک دن میں قریبی قصبہ میں گیا اور وہاں سے لیمپ، اسکارف اور گراموفون خریدلایا۔ گراموفون دیکھ کر نینو کھل اٹھی۔ لیکن ہمیں صرف دو ریکارڈ مل سکے۔ وہ ہم اس قدر بجاتے کہ ان کے بول مکمل طور پہ زبانی یاد ہو گئے۔ اس عرصہ میں صرف ایک مرتبہ نینو کا والد بھی ملنے آیا۔ اور اس انداز زندگی کو دیکھ کر وہ پاگل ہو گیا۔ "خدا کے لئے یہاں سے فوری طور پر چلے جاؤ۔ ورنہ اس وحشیانہ ماحول میں نینو بیمار پڑ جائے گی۔

"میں نے اس سے زیادہ بہتر کبھی محسوس نہیں کیا۔" نینو نے کہا۔

"ابا۔ آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ میں ابھی بیوہ نہیں ہونا چاہتی۔"

"مگر اور دوسرے غیر جانبدار ممالک ہیں مثلاً اسپین تمارین خاندان کا کوئی فرد وہاں تمہیں نہیں پا سکتا۔ لیکن نینو نے اپنے والد کی تمام دلیلوں کو رد کر دیا اور شہزادہ کیپانی کو شدید مایوسی ہوئی باکو پہنچ کر انہوں نے کتابوں کیک اور دوسرے اشیاء پہ مشتمل پیکٹ روانہ کرنا شروع کر دیئے۔ جن میں سے کتابیں تو نینو رکھ لیتی اور بقایا چیزیں گاؤں کے لوگوں میں بانٹ دیتی۔ پھر ایک دن میرے والد صاحب گاؤں تشریف لے آئے۔ نینو

نے ان کی خدمت کی اور انہوں نے اسے گلابی موتیوں کی ایک مالا اس کے گلے میں پہنا دی۔ اور باکو سے ایک باورچی بھیجنے کا وعدہ کیا مگر نینو نے یہ کہکر بات ختم کردی کہ "بخدا ایسا نہ کیجئے گا۔ میں اپنے شوہر کی خدمت کرنا چاہتی ہوں"۔ میرے والد بے اختیار ہنس پڑے۔ انہوں نے باکو جاکر نینو کے لئے ہیرے کے دو بندے بھجوائے۔

گاؤں میں ہمارے دن بہت سکون سے گزر رہے تھے کہ ایک دن ایک گھوڑ اسوار ایک خط لے کر آیا۔ گھوڑے کا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا لفافہ کے اوپر لکھا تھا۔ ارسلان آغا بنام علی خان قاصد نے کہا "علی خان تمہارے نام کئی اور خط بھی آرہے ہیں۔ لیکن ارسلان آغا نے مجھے بھاری رقم دی تھی کہ میں اس کا خط سب سے پہلے پہنچاؤں۔ میں نے لفافہ کھولا۔ ارسلان آغا نے لکھا تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط علی خان کیسے ہو؟ میں، میری شراب اور گھوڑے سب خیریت سے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ قصبہ میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ قیدی جیلوں سے باہر آچکے ہیں۔ اور ان کی جگہ سمندر کے قریب پولیس جیلوں میں بند ہے اب یہاں کوئی فوجی نہیں ہے۔ اور ہمارے عقلمند گورنر نے کل بھاگ جانے کا فیصلہ پر عمل کر لیا۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ ارسلان آغا جھوٹ بول رہا ہے۔ زار نے دوسری پولیس اور فوج کیوں نہیں بھیجدی تو میں تمہیں بتاؤں کسی زار کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اب کوئی بھی نہیں رہا۔ میں نہیں جانتا کہ اس صورتِ حال کو کیا نام دوں۔ کل ہم نے روسی استاد کو خوب مارا اور کسی نے مداخلت نہیں کی۔ قصبہ میں بہت سے لوگ تمہیں یہ اطلاع تحریر کر رہے ہیں۔ لیکن میں تمہارا دوست ہوں اس لیئے سب سے پہلے اطلاع بھجوا رہا ہوں اب قصبہ میں نہ تو کوئی پولیس ہے اور نہ تمارین خاندان کا کوئی فرد۔ آخر میں اس نے اپنا نام لکھا تھا۔ میں نے نینو کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ کسی انجانے خوف سے زرد تھا۔ اس کی آواز میں واضح لرزش تھی "علی خان اب راستہ صاف ہے ہمیں جانا چاہیئے" اور پھر عجیب انداز میں انہی الفاظ کو بار بار دہراتے ہوئے وہ میری گردن میں جھول گئی "ہاں نینو۔ ہم ضرور واپس جائیں گے"۔ میں نے کہا۔ وہ گاؤں میں ہمارا آخری دن تھا۔

—۸—

باکو پر روسیوں کا حملہ

مسلمانوں کو چاہیے کہ ہتھیار
اٹھالیں۔ دشمن آپ کے دروازے
پر ہے

گرانڈ ڈیوک شکست کھا کر فرار ہو چکا تھا۔ اور شکست خوردہ فوجی گلی کوچوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ رات میں کسی وقت گولی چلنے کی آواز سنائی دیتی اور دن میں ہجوم دکانوں کو لوٹ رہے ہوتے۔

نینو نقشہ پر جھکی کسی ایسے ملک کی تلاش میں تھی۔ جو اس وقت پُرامن ہو۔ اور آخر اس نے ناروے ڈھونڈ نکالا۔ لیکن مسئلہ وہاں جانے کا تھا۔ پھر امریکہ۔ اسپین۔ چین جاپان اور ہندوستان کا انتخاب ہوا لیکن یا تو وہ جنگ میں شامل تھے یا وہاں جانا ممکن نہیں تھا۔ نینو نے کہا۔

"علی خان۔ ہم تو چوہے دان میں پھنس گئے ہیں۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"ہاں نینو اب ہمیں اپنے ہی قصبہ میں رہنا چاہیئے یہاں تک کہ ترک یہاں پہنچ جائیں۔"

"مجھے نعرے، جھنڈے اور تقریریں پسند نہیں ہیں۔ اگر یہ جاری رہا تو میں تمہارے چچا کے پاس ایران بھاگ جاؤنگی۔" نینو نے کہا۔

اسلامی سوسائٹی کی میٹنگ جاری تھی۔ ہال نوجوانوں سے بھرا ہوا تھا۔ چند ماہ

قبل میرے والد کے ساتھ اسی موضوع پر بات چیت کے شرکا میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔
میری الیاس بیگ سے ملاقات دروازے پر ہوئی۔ وہ محمد حیدر جنگ سے واپس آچکے تھے
انہیں فوج سے رخصت کردیا گیا تھا۔ الیاس بیگ نے ہال میں موجود افراد کو بتایا کہ زار کی
فوج کے بھگوڑوں نے باکو لوٹنے کے لئے چاروں اطراف سے گھیر لیا ہے اور افرادی قوت
اور اسلحہ کی تعداد میں بھی انہیں برتری حاصل ہے۔ قصبہ میں موجود دوسری منظم قوت آرمینیا
کے لوگوں کی ہے اور وہ اپنی فوج کو کاراباغ اور آرمینیا لے جانا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں
چاہتے کہ کوئی روسی فوجی یا پناہ گزین ہمارے قصبے سے گزریں۔ مسلمانوں کو چاہیئے
کہ ہتھیار اٹھالیں۔ دشمن آپ کے دروازے پر ہے۔" میں نے گفتگو کے آخر میں انہیں
گھر آنے کی دعوت دی اور گھر چلا آیا۔

گھر میں دورانِ گفتگو الیاس بیگ نے پوچھا کہ کس قدر ہتھیار ہیں تو معلوم
ہوا کہ صرف پانچ بندوقیں، آٹھ ریوالور، اور ایک مشین گن ہے اور عورتوں و بچوں
کے لئے ایک پناہ گاہ ہے۔ نینو نے سخت اور مضبوط آواز میں کہیں جانے سے انکار
کردیا۔ محمد حیدر نے کہا کہ وہ ہمارے زخموں کی مرہم پٹی کرے گا۔ الیاس بیگ نے
توقع ظاہر کی کہ شاید جنگ کی نوبت ہی نہ آئے اور روسی ہمارے الٹی میٹم کو منظور کر
لیں گے۔ لیکن اسی لمحہ محمد حیدر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا" میں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ
روس نے ہمارا مطالبہ نامنظور کردیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ ہم ہتھیار ڈالدیں۔

" تو اب ہمارے اور ہمارے اتحادی آرمینی لوگوں کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارہ
نہیں رہا۔" الیاس بیگ نے کہا۔ مستقبل کے موضوع پر لفظوں کی جنگ ہوتی رہی اور
پھر تمام لوگ واپس چلے گئے۔ رات کو نینو بستر پر میرے ساتھ لیٹی ہوئی تھی علی خان۔
کیا تم جنگ کروگے۔" اس نے پوچھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور جسم پر ہلکی ہلکی کپکپی
طاری تھی۔

" یقیناً نینو،" میں نے کہا۔ اس نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور کچھ دیر
بعد کہا" میں اپنے بیٹے کا نام علی رکھوں گی۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگئی اچانک

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے رسیور اٹھایا۔ الیاس بیگ نے جو بہت غصہ میں تھا۔ بتایا کہ آرمینی روسیوں سے مل گئے اور انہوں نے ہمیں کل دوپہر تک ہتھیار ڈال دینے کا الٹی میٹم دیا ہے اور اب جنگ یقینی ہے۔ تمہاری ذمہ داری گیٹ کے بائیں جانب دیوار والی مشین گن پر ہے۔" میں دروازے کی حفاظت کے لئے تیس آدمی روانہ کر رہا ہوں۔"

"کیا ہوا علی۔" نینو نے پوچھا۔

"دشمن دروازے تک پہنچ چکا ہے نینو۔" میں نے ڈریس پہنی اور ملازموں کو بلا کر انہیں بندوقیں دیں اور نیچے چلا آیا۔ جہاں والد صاحب موجود تھے ملازم ان کا کوٹ صاف کر رہے تھے۔ "تمہاری پوزیشن کونسی ہے۔" انہوں نے پوچھا۔ میں نے بتایا۔

"بڑے گیٹ پر۔" انہوں نے بتایا کہ وہ مسلم سوسائٹی کے ہال پر ہوں گے۔" علی بہادروں کی طرح لڑنا۔ اور دشمن کو دیوار تک نہ آنے دینا۔ اس کے دیوار تک پہنچ جانے کی صورت میں مشین گن استعمال کرنا۔ اسد اللہ دہقانوں کو لا رہا ہے جو پشت پر نکولائی اسٹریٹ سے دشمن پر حملہ کریں گے۔" انہوں نے ریوالور لگاتے ہوئے کہا۔" ایران کی جانب آخری کشتی ۸ بجے روانہ ہوگی۔ نینو کو وہاں چلا جانا چاہیئے۔ اگر روسی جیت گئے تو ہماری تمام عورتوں کی عزت لوٹ لیں گے۔"

میں واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں نینو ٹیلیفون پر اپنے والد اور والدہ سے باتیں کر رہی تھی اور انہیں بتا رہی تھی کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے اور وہ یہیں رہے گی۔ میں نے اسے حالات و خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ایران جانے کا مشورہ دیا جسے اس نے انتہائی سختی سے مسترد کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ جنگ اور دشمن سے ڈرتی ضرور ہے۔ لیکن وہ یہیں رہے گی۔

میں گھر سے نکلا تو میرے پیچھے میرے ملازم بھی تھے الیاس بیگ کے تیس آدمی بھی آ چکے تھے۔ اندھیرے میں مشین گن روسی ناک کی مانند نظر آ رہی تھی۔ کسی مقام پر شہر کے بزرگ روسیوں سے گفتگو میں مصروف تھے کہ شاید آخری لمحہ کوئی معجزہ رنگ لے آئے۔

سورج طلوع ہوا اور جلد ہی موسم گرم ہو گیا۔ میں نے گھر کی طرف دیکھا۔ نینو چھت پر موجود تھی۔ دوپہر کو وہ پھل اور خوراک بھی لے کر آئی۔ اور خاموش رہی خوف زدہ نظروں سے مشین گن کو دیکھتی رہی۔ ایک نیکے مصطفٰے نے آذان دی اور نماز کے بعد پھر ہمارے ساتھ شامل ہو گئی۔ اس نے اپنی بیلٹ میں قرآن اڑسا ہوا تھا۔ میں نے ڈوما اسکوائر کی جانب دیکھا۔ کچھ لوگ خوف زدگی کے عالم میں جھکے جھکے اِدھر سے اُدھر جا رہے تھے۔ انہیں یکایک حملہ کا خوف ہے۔ ایک نقاب پوش عورت اپنے بچوں کی طرف، چلا کر بھاگ رہی تھی جو ڈوما اسکوائر کے وسط میں کھیل رہے تھے ایک دو، تین ٹاؤن ہال کی گھنٹیاں بجنے لگیں سکوت ٹوٹ گیا۔ اسی لمحہ ہم نے قصبہ کے مضافات سے گولیوں کی پہلی آوازیں سنیں۔

—۹—

ایران میں پناہ

سنا ہے آذربائیجان آزاد ہو گیا ہے۔ انور بے نے فوجیں باکو بھیجی ہیں۔

اس رات چاند نہیں نکلا تھا۔ کشتی کیپین سمندر کے پانیوں میں پرسکوت طور پر تیر رہی تھی۔ میں کشتی میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے مصطفےٰ کی طرف دیکھا اس نے کہا "لیٹے رہو" اس کا چیچک زدہ چہرہ مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ محمد حیدر ختم ہو گیا۔ میں نے اس کی لاش نکھولائی اسٹریٹ میں دیکھی تھی۔" میں نے کہا۔ "روسیوں نے اس کے ناک اور کان کاٹ لیتے تھے۔"

مصطفےٰ مجھے بیتی باتیں یاد دلا رہا ہے۔ کشتی آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ میرا ذہن تپ رہا ہے۔ میں نینو کی طرف دیکھتا ہوں۔ اس کا چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ زرد اور دبلا دکھائی دے رہا ہے میں اٹھ کر والد محترم کے پاس جاتا ہوں۔

" ابا جان ایشیا مر چکا ہے۔ ہمارے دوست مر چکے ہیں اور ہم جلاوطن ہو گئے ہیں ہم پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے۔" میرے والد نے کوئی جواب نہیں دیا اور کسی قدر جھک کر میرے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ انہوں نے خاموشی کے طویل وقفہ کے بعد سکوت توڑا۔

"ایشیا نہیں مرا۔ صرف اس کی سرحدیں تبدیل ہوتی ہیں۔ ہمیشہ کے لئے۔ باکو اب

یورپ میں ہے اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں۔ ایک عرصہ سے باکو میں کوئی ایشیائی نہیں تھا
ابا جان میں نے تین دن تک مشین گنوں، سنگینوں اور خنجروں سے ایشیا کی
حفاظت کی ہے۔

"علی خان، تم ایک بہادر انسان ہو" میرے والد جواب دیتے ہیں۔ "لیکن یاد رکھو اگر تم یہ جنگ جیت جاتے تو تم خود باکو میں یورپی تہذیب کو روشناس کراتے۔ تمہاری یہ حرکت غیرارادی ہوتی۔ لیکن ایسا ضرور ہوتا۔ دنیا تیزی سے بدل رہی ہے اور اب ایشیائی ہونے کا تصور بھی بدل رہا ہے میں چاروں طرف دیکھتا ہوں۔ پانی ہی پانی ہے تاریکی ہے۔ میں اپنے خوابوں کی زمین ایشیا جا رہا ہوں۔ لیکن وہاں میں اجنبی ہوں گا۔ محمد حیدر مر چکا ہے عاشی مر چکی ہے۔ میرا وطن برباد ہو چکا ہے اور میں ایران کی جانب سفر کر رہا ہوں۔ اسی اثنا میں نینو میرے برابر آ کر کھڑی ہو جاتی ہے "ہم ایران کیا کرنے جا رہے ہیں۔" "وہاں ہم آرام کریں گے" میں نے کہا۔

"آرام۔ ہاں علی خان۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ ایک ماہ یا ایک سال تک میں سبز درختوں سے بھرے باغ میں سونا چاہتی ہوں۔ جہاں جنگ کا نشان بھی نہ ہو۔"

"تم صحیح ملک جا رہی ہو۔ ایران صدیوں سے سویا ہوا ہے۔" پھر ہم عرشہ پر چلے گئے اور نینو کو فوراً نیند آ گئی۔ میں دیر تک جاگتا رہا اور مصطفےٰ کو عبادت میں مشغول دیکھتا رہا کچھ دیر بعد سورج نکل رہا تھا اس کے پیچھے ایران تھا۔

سفر کے چوتھے روز ہم نے افق پر ایک زرد پٹی دیکھی۔ یہی ایران تھا۔

ہم تہران کی جانب رواں تھے۔ ہماری کار ایرانی دیہات اور قصبوں سے گزر رہی تھی۔ دیہات کے مکانات گارے سے بنے ہوئے تھے چھوٹے چھوٹے مکانات اور ان کے درمیان بلند و بالا مسجد۔ لیکن ہر چیز گرد آلود تھی۔ راستے میں ہم ایک چھوٹے سے ہوٹل خانے پر رکے۔ مرد نینو کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہاں سے ساٹھ ستر میل کا مزید فاصلہ طے کر کے ہم تہران میں داخل ہو گئے۔ شہر پناہ کا دروازہ سرخ اینٹوں کا بنا ہوا تھا

اور اس کے گرد گداگروں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ جو بہت زیادہ گندی حالت میں تھے ہماری کار گلیوں و بازاروں سے گزرتی ہوئی بالآخر قصرِ شمران میں داخل ہو گئی اور پھر سارا منظر بدل گیا درخت تھے، پھول تھے اور ایک فوارہ جس کا اچھلتا ہوا پانی چاندی کی طرح چمکدار تھا۔ کمروں میں پہنچ کر جو خنک تھے۔ ہمیں نیند نے آلیا۔ جانے ہم کب تک سوتے رہے کہ نینو نے مجھے جگایا۔ وہ بھوک سے بے حال تھی۔ ہم باغ میں چلے آئے جہاں خوبصورت گلاب بھی تھے اور مور بھی۔ میرے تالی بجانے پر ایک خواجہ سرا آیا اور چند ہی لمحوں میں اس نے دستر خوان بچھا کر اس پر کھانے چنوا دیئے۔ شمرانی محل میں ہونا واقعی حیرت انگیز تھا۔ اچانک نینو نے پوچھا۔

" وہ تمہارے چچا اور ان کی حرم کہاں ہے " میں نے اسے بتایا کہ وہ اپنی چاروں بیولیوں کے ساتھ محل میں ہیں اور یہ بھی حرم کا ایک حصّہ ہے۔ نینو نے ہنس کر کہا " اچھا تو پھر میں حرم میں داخل ہو گئی ہوں " اسی اثنا میں خواجہ سرا نے اطلاع دی کہ مصطفےٰ مجھ سے ملنا چاہتا ہے نینو کو حیرت تھی کہ مصطفےٰ باہر کیوں بیٹھا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ حرم میں غیر مرد کا داخلہ ممنوع ہے۔ یہ یہاں کا رواج ہے۔ نینو نے کہا۔

" ٹھیک ہے تو ہم اسے باہر مل لیتے ہیں " میں نے اسے بتایا کہ مصطفےٰ ایک مرد ہے اور عورت کسی مرد کے سامنے نہیں جا سکتی " میں نینو کو کسی طور سمجھا کر مردانہ میں گیا جہاں مصطفےٰ بیٹھا تھا۔ ہم نے چائے پی اور باتیں کرتے رہے۔ اس نے بتایا کہ وہ باکو کی آزادی تک اپنے مجاور چچا کے پاس مشہد میں رہے گا۔ ہم بات چیت کر رہے تھے کہ یکایک دروازہ کھلا اور نینو کی آواز سنائی دی۔

" مصطفےٰ" اور مصطفےٰ یوں اچھل پڑا جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ نینو ہمارے قریب بیٹھ کر بولی مصطفےٰ ایک پیالہ چائے اور پیو۔ برآمدے میں موجود ملازم زمین پر پاؤں رگڑ کر اپنی مخالفت کا اظہار کر رہے تھے۔ مصطفےٰ بھی خود کو شرمندہ محسوس کر رہا تھا۔ نینو نے اس ماحول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا " علی خان میں مشین گنوں سے خوفزدہ نہیں ہوئی۔ ان ہیجڑوں سے کیا ڈروں گی۔ ہم کئی گھنٹہ تک مصروف گفتگو

رہے۔ پھر مصطفےٰ چلا گیا۔ رات سونے جانے سے قبل خواجہ سرا نے اپنے تساہل کی معافی چاہی کہ وہ نینو پر نظر نہیں رکھ سکا تھا۔

باکو میں گویوں کی آخری آوازیں سننے کے بعد میرے خوش ہونے کے لئے کچھ باقی نہ بچا تھا لیکن شمران کے باغوں میں گزارے ہوئے چار ہفتوں نے مجھے پرسکون کر دیا تھا۔ میں عزیزوں سے ملاقات کرنے تو بہت کم جاتا لیکن پراسرار اور نیم تاریک بازاروں میں اکثر گھومنے نکل جاتا۔ اور وہاں سے اس قدر چیزیں خرید لیتا کہ میرے خادم ان کے بوجھ سے تھک جاتے۔ میں ایران کے ایک محل میں مطمئن ہوں لیکن میرے ساتھ رہنے والی نینو مطمئن نہیں ہے وہ میرے ساتھ بازاروں میں گھومنا چاہتی ہے لیکن ایران کا رواج کسی عورت کو بازاروں میں گھومنے کی اجازت نہیں دیتا۔ شوہر اور بیوی کو بھی نہیں۔ میں اس کے لئے شیشے کی کوچ بنواتا ہوں اور پھر اسے شہر لے جاتا ہوں لیکن وہ ایک مرتبہ پھر روٹھ جاتی ہے کہ بازار میں وہ والد صاحب کو دیکھ لیتی ہے اور انہیں بلانا چاہتی ہے اور میں اسے منع کرتا ہوں۔

میں شمران واپس پہنچتا ہوں تو آٹھ بجے چچا جان کی شاندار کوچ میں ہمیں لینے آجاتی ہیں۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر چچا جان دروازے پر آکر ہمارا استقبال کرتے ہیں اور ہمیں اندر لے جاتے ہیں۔ ہم سب سے پہلے شہزادہ کو تعظیم دیتے ہیں اور پھر دوسروں سے ملاقات کرتے ہیں۔ گفتگو کا سلسلہ چل نکلا اور ہر شخص یہ بات ثابت کرنے پر تل گیا کہ جو کچھ ایران میں ہے اس کا مثل روئے زمین پر نہیں۔ کچھ دیر بعد والد محترم نے پوچھا۔ کہ ہمارے وزیر اعظم انگلستان کے ساتھ کوئی نیا معاہدہ کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اسد السلطنت کو سب معلوم ہے۔ میرے چچا نے بتایا کہ اس معاہدے کے تحت فرنگی ہماری سرحدوں کی حفاظت کریں گے۔ سڑکیں بنائیں گے اور سرحدیں مضبوط کریں گے۔ میرے رشتے کے بھائی بہرام خان نے جو چچا کے قریب بیٹھا تھا۔ پوچھا فرنگی ہمیں کیوں پسند کرتے ہیں۔ ہم مہذب ہیں یا اس لیئے کہ ہمارے پاس تیل ہے" چچا نے جواب دیا۔

دونوں چیزیں دنیا کی روشنی کا باعث ہیں۔ہم سپاہی بننا کب پسند کرتے ہیں؟"
یہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا میں نے کہا۔

"سپاہی بننا کوئی بری بات نہیں۔میں ایک بار اپنے عوام کے لئے لڑ چکا ہوں اور ضرورت پڑی تو دوبارہ لڑونگا" میرے چچا نے مجھے ناپسندیدگی اور ناراضگی سے دیکھا۔شہزادہ نے طنزیہ انداز میں کہا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ نیشروان شیر خاندان میں سپاہی بھی ہوتے ہیں" میں حیرت سے خاموش ہو گیا۔میں بھول گیا تھا کہ مہذب ایرانیوں میں ایک سپاہی کا درجہ بڑا کمتر ہوتا ہے۔ایران کے لوگ اس عقیدے کے مالک تھے کہ ایران خداوند بزرگ و برتر کی خصوصی حفاظت میں ہے اور ایران کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اچانک میری زبان پر عمر خیام کی رباعی آگئی جسے میں بے خودی میں باآواز بلند پڑھتا گیا۔شہزادہ کے چہرے پر نرمی آگئی انہوں نے کہا "میرا خیال ہے تم کسی حادثہ سے سپاہی بن گئے تھے ورنہ تم تہذیب یافتہ ہو۔اگر تمہیں قسمت کا انتخاب دیا جائے تو تم کیا سپاہی بننا پسند کروگے؟" میں نے کہا "حضور میں تو صرف چار چیزیں پاؤں گا یاقوت کی مانند سرخ لب۔ساز کی آواز، دانش اور سرخ شراب" دقیقی کے مشہور اشعار نے مجھے دوبارہ عزت دلادی تھی۔

نصف شب کے قریب کھانا شروع ہوا۔قالینوں پر طویل و عریض دسترخوان بچھا ہوا تھا۔جن پر ان گنت لذیذ کھانے چنے ہوئے تھے۔بہرام خان میرے قریب بیٹھا تھا وہ کم کھا رہا تھا اور باتیں زیادہ کر رہا تھا۔وہ کہہ رہا تھا کہ ہم صدیوں قبل شاعری پر اکتفا کر رہے ہیں۔ہمیں نہیں معلوم کہ سڑک کس طرح بنتی ہے۔موٹر کاریں کیسے بنتی ہیں اور فوج کی کمان کس طرح کی جاتی ہے" میرے پوچھنے پر کہ آخر تمہیں سڑکوں کی کیوں ضرورت ہے اس نے بتایا کہ ضرورت پڑنے پر سپاہیوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جایا جاسکے اس کے باوجود کہ ہمارے رہنماؤں کے بقول سپاہیوں کی ضرورت نہیں جبکہ ہمیں مشین گنوں اسکولوں ہسپتالوں اور نئے قوانین کی ضرورت ہے۔پھر اس نے جدید شعراء اور ان کی انقلابی شاعری کا ذکر چھیڑ دیا جس سے اندازہ ہوا کہ نیا ایران جنم لے رہا ہے۔میں نے پوچھا کہ بہرام خان جب تم سب کچھ حاصل کرنے کے بعد مغربی انداز کے اسکولوں میں بچے پڑھنے کے لئے بھیجنے لگو گے تو

ایشیا کی روح کا کیا ہو گا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

اسے ہم چوراہے پر تعمیر کردہ ایک عمارت میں محفوظ کر دیں گے اور بیرونی محراب پر فلو کوئی میں عجائب گھر تعمیر کرا دیں گے۔ کیا تم اس عجائب گھر کی تعمیر میں ہماری مدد کرو گے" سوچ رنگا میں نے کہا۔ اسی لمحے مجھے نینو کی یاد آ گئی جسے میں کسی طور پر مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے نینو کو مسکرائے صدیاں بیت گئی ہوں اور پھر یکایک وطن کی محبت کی ایک لہر سی اٹھی اور تصور میں ماضی کی تصویریں ابھرنے لگیں۔ اتنے میں بہرام خان نے میرے کاندھے کو ہلاتے ہوئے کہا" علی خاں۔ کیا خواب دیکھ رہے ہو۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ کیا تم نئے ایران کی تعمیر میں ہمارا ساتھ دو گے۔

میں نے کہا" بھائی بہرام خان ایک مہاجر ہی جانتا ہے کہ وطن کی محبت کیا ہے۔ میں ایران کی تعمیر میں حصہ نہیں لے سکتا۔

اس نے میری طرف مایوسی سے دیکھا اور زیر لب کہا" مجنوں" شاید وہ ٹھیک کہتا تھا فردوسی و حافظ کی حسن و عشق کی شاعری اور سعدی کی حکایات میرے لئے نہیں تھیں میں نے ہال میں جا کر شہزادے کے ہاتھ چوم کر واپسی کی اجازت چاہی اور شمران چلا آیا۔

نقشہ پر پھیلے ہوئے رنگ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ قصبوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے نام اس طرح مل گئے ہیں کہ انہیں پڑھنا مشکل ہے۔ دیوان پر نقشہ پھیلا ہوا تھا اور میں جھنڈیوں والی پنیں لئے بیٹھا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ آذربائیجان آزاد ہو گیا ہے۔ انور بے نے ہمارے ملک کی آزادی کے لئے فوج بھیجی ہے جو مشرق میں برسرپیکار ہے۔ نوری پاشا کی افواج اگداش کی جانب رواں ہیں دوسری جانب وسل پاشا کی افواج نے وادی ایلیسو پر قبضہ کر لیا ہے اور آذربائیجان کے رضا کاروں کی بٹالین وسط میں لڑ رہی ہیں۔ آہستہ آہستہ مقبوضہ باکو پر ترکی کا گھیرا تنگ ہو رہا تھا امید تھی کہ جلد ہی باکو سے سرخ جھنڈے کی جگہ سبز پرچم لہرائے گا۔ میرے قریب ہی خواجہ سرا خواجہ قلی کھڑا ہے جو مجھے اکثر نینو کے طرز عمل کے بارے میں مطلع کر کے پریشان کرتا رہتا ہے۔ ایران کی تہذیب

اور معاشرے کا تصور بھی خواجہ سرا کے بغیر نامکمل اور ادھورا ہے۔ مخنث ہونے کی وجہ سے چونکہ ان میں کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے حرم محفوظ رہتا ہے۔ میں بات بدلنے کے لئے اپنے وطن کی بات چھیڑ دیتا ہوں وہ پوچھتا ہے آپ کا وطن کب آزاد ہو گا؟

"کون جانے کب" میں مایوسی سے جواب دیتا ہوں۔ وہ مجھے مشورہ دیتا ہے کہ میں محرم میں دعا مانگوں۔ محرم میں مانگی ہوئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے" وہ بولتا جاتا ہے لیکن مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ نینو گھر پہ نہیں ہے۔ وہ آج کل اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہے جو تہران آئے ہوئے ہیں کچھ دیر بعد میں خواجہ سرا سے کہتا ہوں کہ وہ مصطفےٰ کو بلا لائے۔ میں اکیلا رہ جاتا ہوں۔

میں یہاں اکیلا بیٹھا اپنی کہانی لکھ رہا ہوں۔ جو میں نے اسوقت شروع کی تھی جب میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ میرا ماضی میرے سامنے ہے میں لکھتا جاتا ہوں کہ اسی دوران مصطفےٰ آجاتا ہے میں اس سے اپنی دلی حالت بیان کرتا ہوں۔ وہ مجھے بتاتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دین سے منہ پھیر لیا ہے پھر حسینؓ کے حوالہ سے کربلا کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ دین کے دکھوں کا بوجھ حسینؓ نے اپنے کاندھوں پہ اٹھا لیا تھا۔ اب جو اس کا کسی قدر حصّہ بھی اٹھاتا ہے وہی حسینؓ کا سچا پیرو ہے اور اسے ہی نجات ملے گی جو محرم میں ماتم کرے گا۔ میں اسے بتاتا ہوں کہ میں ان تمام باتوں پر یقین رکھتا ہوں وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے کل سپہ سالار کی مسجد میں آنا۔ وہاں باتیں ہوں گی۔

ہم دیوان پر لیٹے ہوئے تھے اور ایرانی کھیل کھیل رہے تھے یکایک نینو نے میرے جیتے ہوئے ٹمارٹ میری طرف لڑھکا دیئے اور بورڈ ہٹا دیا۔ پھر سر میرے گھٹنوں پر رکھ کر کسی گہری سوچ میں کھو گئی۔

وہ ایک خوشگوار دن تھا کیونکہ نینو بہت خوش تھی۔ ہوا یہ تھا صبح ہی سے خواسرا قلی خان کی چیخوں سے پورا گھر گونج رہا تھا اور یہ نینو کا کیا دھرا تھا جس نے ایک منصوبے کے تحت اسے کھڑکی سے نیچے گرا دیا تھا۔ جس سے اس کے دانت ٹوٹ گئے تھے

اور منہ سوج گیا تھا۔

"علی خان اسے بتاؤ کہ یہ کس کے دانت صاف کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے۔" میرے سمجھانے پر یہ تم نے زیادتی کی ہے نینو نے کہا۔

"یہ اس کے ساتھ صحیح ہوا ہے۔" پھر اس نے میری تھوڑی کو پکڑ کر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"علی باکو کب آزاد ہو گا؟" میں نے اسے بتایا کہ میں اگلے دو ہفتہ میں اس سلسلہ میں کچھ کہہ سکوں گا۔ میرے یہ کہنے پر وہ بہت چراغ پا ہوئی۔ اس نے کہا کہ تم تو یہاں خوشی سے رہ رہے ہو لیکن اسے روز ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ہر شخص اس کے ساتھ یوں سلوک کرتا ہے جیسے وہ قیمتی اور نازک سی چیز ہو۔ آج محرم کی دس تاریخ ہے سُنا ہے لوگ حسینؑ کا ماتم کرتے ہیں خنجروں، چھریوں اور زنجیروں سے خود کو لہو لہان کر لیتے ہیں میں یہ منظر نہیں دیکھ سکتی۔ دوسرے یورپی باشندے بھی اس منظر سے بچنے کے لئے شہر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ گہری سیاہ اور چمکدار تھیں، میں نے پوچھا کہ کیا وہ حاملہ بننے سے ڈرتی ہے۔ اس نے کہا "نہیں۔" میں چوہوں مگرمچھوں اور خواسراؤں سے ڈرتی ہوں۔" میں نے اس کی پلکوں کو چوم لیا۔ اس نے کہا وہ اپنے والدین کے پاس جا رہی ہے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب میں گھر میں اکیلا ہوں۔ میرے سامنے نقشہ ہے۔ اور نینو کے جسم کی مہک کمرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ دن ڈھل جاتا ہے اور دور سے ڈھول طنبورے کی آوازیں آرہی ہیں۔ میں کھڑکی کی طرف بڑھتا ہوں۔ ماتم کی مدھم آوازیں آہستہ آہستہ پرشور ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ آوازیں میرے خون کو گرما دیتی ہیں اور میرے اندر سوگ اور ماتم کی آوازیں خود بخود گونجنے لگتی ہیں۔ اور پھر میں اپنے آپ کو ہجوم میں پاتا ہوں۔

نینو بے تحاشا رو رہی ہے وہ چہرہ چھپائے بغیر آنسو بہا رہی ہے اس کا نرم و نازک جسم لرز رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ لیکن اس کی آنسو بہاتی آنکھوں نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ تھامنے چاہے تو اس نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

—— ۱۰ ——

آذربائیجان پر برطانوی پرچم

نوجوان انگریز افسر نینو کے سامنے جھکتے۔ نینو کی انگلیوں سے ان کے ہاتھ چھوتے۔ میں سب کچھ نظرانداز کرتا۔

ایران میں جب موسم خزاں کا آغاز ہوا تو انورپاشا کی فوجیں مقبوضہ باکو کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھیں اخبارات میں خبریں بہت زیادہ چھپ رہی تھیں۔ ایرانی وزیر اعظم نے کس قدر ہچکچاہٹ کے بعد میرے والد کی درخواست پہ باکو اور ایران کے درمیانی آبی راستہ دوبارہ کھول دیا تھا۔ اور ایک دن ہم قافلے کی صورت میں باکو کی طرف روانہ ہوئے۔ باکو میں الیاس بیگ نے ہمارا استقبال کیا۔ اور ترکی کرنل نے استقبالی تقریر کی ہم اپنے مکمل طور پہ تباہ شدہ گھر آئے اور گزرتے وقت کے ساتھ نینو ایک گھریلو عورت بن گئی۔ وہ گھر کی آرائش کے لئے گھنٹوں متعلقہ لوگوں سے بحث میں الجھی رہتی۔ اور میں اپنے والد کے ساتھ چھت پہ بیٹھا تھا اور وہ مجھے سمجھا رہے تھے کہ علی خان گھر پہ عورت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ نینو نے ایران میں بڑے تحمل کے دن گزارے ہیں۔ اب باکو یورپ کا حصہ ہے اس کے باوجود کہ تمہارا تعلق ایران سے ہے۔ میرا تعلق بھی ایران سے ہے اور میں صرف تمہارے بچہ کو دیکھنے کے لئے ٹھہرا ہوا ہوں اسے دیکھ کر ایران چلا جاؤں گا۔ لیکن تمہیں یہیں رہنا ہے۔

باکو میں اپنے فتح علی وزیر اعظم اور اسد اللہ وزیر خارجہ ہے۔ روسی کسی قدر خوفزدہ نظر آتے ہیں۔ سٹی کلب میں مقامی گیت گائے جاتے ہیں۔ اب ہمیں ترکوں سے نفرت نہیں رہی۔ شیعہ اور سُنی کے درمیان کوئی دشمنی نہیں رہی۔ سب کچھ بھلایا جا چکا ہے لیکن مصطفےٰ اب بھی اپنے عقیدے پر قائم ہے جب شہر میں بڑی فوجی پریڈ ہوتی ہے تو مصطفےٰ ہجوم سے علیحدہ یکا و تنہا کھڑا ہے اس کے چہرے پر نفرت کے گہرے تاثرات ہیں۔ پریڈ کے بعد میں، الیاس بیگ اور مصطفےٰ باہم مصروف گفتگو تھے۔ ایک جنگ کے تجربہ کے بعد الیاس بیگ کو یقین تھا کہ باکو کو دوسرے روسی حملے سے بچانے کا واحد طریقہ اسے جلد از جلد یورپی تہذیب سے روشناس کرانا ہے۔ لیکن مصطفےٰ کو اعتراض تھا کہ قلعوں اور سڑکوں کی تعمیر اور اصلاحات کے روشناس کرانے کے بعد بھی کیا ہم اچھے مسلمان ہو سکتے ہیں اس بحث میں یہ طے ہوا کہ ہر شخص کو نئی ریاست کی ہر ممکن خدمت کرنا چاہیئے۔ میں گھر چلا آیا اور جب نینو نے دیکھا کہ مجھے مکان کے سلسلہ میں یورپی انداز سجاوٹ پر اعتراض نہیں ہے۔ تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

اس عرصہ میں شہر میں بہت سکون تھا۔ لیکن ترک فوجیوں کے چہروں پر پریشانی نمایاں تھی اور پھر ایک دن سلطنت عثمانیہ کا پرچم لپیٹ دیا گیا۔ اور ترک فوجی قصبہ سے نکل گئے۔ اور چند روز بعد انگلستان کے غاصب فوجی پانی کے جہازوں سے قصبہ میں داخل ہو گئے۔ ملک پر یونین جیک لہرانے لگا۔ ایک دن علی خان نے مجھے فون کر کے بلایا ملاقات کے دوران اس نے پوچھا کہ میں ملک کی خدمت کیوں نہیں کر رہا ہوں۔ میرے اثباتی جواب پر اس نے مجھے وزیر خارجہ اسد اللہ سے ملاقات کرنے کے لئے کہا۔

میرے ذمہ غیر ملکی مہمانوں کی خاطر داری تفویض کی گئی تھی۔ نینو نے کہا کسی جنگ کے جیتنے سے انگریزی بولنا بہتر ہے۔ لیکن کیا تم نے کبھی وہسکی پی ہے، میرے جواب سے قبل وہ بتاتی ہے کہ اس نے ایک مرتبہ کوشش کی تھی لیکن اس کا ذائقہ انتہائی تلخ تھا۔ شام دعوت ہے اور مہمان آنے والے ہیں۔ نینو نے شام کا لباس پہن لیا ہے۔ میں اپنا ہاتھ

اس کے کاندھوں کے گرد ڈال دیتا ہوں۔

"ہماری زندگی کس قدر عجیب ہے علی خان۔ کہاں تم نے مجھے حرم میں قید کر دیا تھا اور کہاں میں اپنے ملک کی ثقافتی ترقی کی مظہر ہوں" نینو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ہم نیچے استقبالیہ پر چلے آئے جہاں نوکر مستعد کھڑے تھے اور کرسیاں وغیرہ لگائی جا چکی ہیں۔ نینو نے کہا۔

"علی خان تمہیں یاد ہے میں نے تمہاری کس طرح خدمت کی ہے۔ میں وادی سے پانی بھر کر گاؤں آول تک لایا کرتی تھی، تمہیں کونسی خدمت اچھی لگی" میں نے پوچھا۔ وہ کسی قدر سوچ میں ڈوب گئی۔ لیکن میرے سوال کا جواب نہیں دے سکی۔ اسی اثنا میں گھنٹی بجی جس کا مقصد مہمان کی آمد کی اطلاع تھی۔ اور وہ نینو کے والدین تھے۔

میں اور نینو دروازے پر کھڑے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے افسران لانبے اور سرخ تھے عورتیں نیلی آنکھوں اور مسکراتے چہروں والی تھیں۔ کھانا بائیں جانب سے پیش کیا جا رہا تھا۔ نینو اس وقت حیران رہ گئی جب ایک نوجوان لیفٹیننٹ نے بغیر سوڈا ملائے وہسکی کا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔ اور ہم مہمانوں کے درمیان گھومتے ہوئے مختلف سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔

نوجوان انگریز، سول سرونٹ اور افسران نینو کے سامنے جھکتے ان کے ہاتھ نینو کی انگلیوں سے چھوتے اور ان کی انگلیاں نینو کی ننگی پشت پر مرکوز ہوتی۔ میں سب کچھ نظرانداز کرتا ہوں۔ اسد اللہ ایک گوشے میں کھڑا سگریٹ پی رہا ہے۔ یوں جیسے سب کچھ ٹھیک ہے۔ وہ اپنی بیوی کو کبھی یوں سب کے سامنے لانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا لیکن نینو ایک تو جارجیا کی ہے اور پھر عیسائی ہے۔ میں نینو کے لوگوں سے ہنس کر ملنے اور لوگوں کے اس کے حسن کی میرے سامنے تعریف کرنے سے جذباتی ہو جاتا ہوں۔ لیکن معاملہ مہمان نوازی ہے اور ہماری روایات کے مطابق اکلوتے بیٹے کے قاتل کی بھی مہمان نوازی فرض ہے۔ ایک ایک کر کے مہمان رخصت ہوتے ہیں اور پھر گھر میں نینو اور میں رہ جاتے ہیں۔ وقت گزرتا گیا۔ مہمانوں کی آمد و رفت سے ان کی خدمت اور ان کا نینو اور گھر کی

تعریف کرنا۔ نینو کا نوجوان فوجی افسروں کے ساتھ رقص کرنا سب ایک معمول بن گیا لیکن ایک دن دفتر میں مجھے سرکاری خط ملا جس میں مجھے پیرس میں قونصلر کے عہدے پر فائز کرنے کے احکامات تھے۔ لیکن میں نے اسی وقت اسد اللہ سے ملاقات کی اور اسے سختی سے بتایا کہ میں پیرس جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مجھے یورپ سے نفرت ہے اگر تم نے اصرار کیا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔"

گھر پہنچ کر جب میں نے نینو کو پیرس نہ جانے کی خبر سنائی تو کا چہرہ چند لمحوں کے لئے بے رنگ ہو گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں باکو سے دوری نہیں برداشت کر سکتا۔ میں یہیں پیدا ہوا تھا اور یہیں مروں گا۔" وہ سب کچھ سنتی رہی پھر میرے سامنے سر جھکا کر بولی۔

" علی خان۔ اپنی نینو کو معاف کر دو۔ میں اپنے اس گھر میں خوش رہوں گی جسے میں نے یورپ کے انداز میں سجایا ہے۔" اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

— ۱۱ —

آذربائیجان جمہوریہ کا اختتام

میری مشین گن پاگلوں کی طرح
گولیاں برسا رہی ہے۔ روسی ہزاروں
کی تعداد میں ہیں۔ میری مشین گن
اکیلی ہے۔

نینو ماں بننے والی تھی۔ پیدائش کا وقت آچکا تھا۔ میرے والد نے مجھے دعا کے لئے کہا۔ وہ خود بھی دعاؤں میں مصروف تھے۔ میں پوری یکسوئی سے دعائیں مانگ رہا تھا۔ کہ کسی نے میرے کاندھوں کو چھو کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں اس کے ساتھ تو اٹھ کر چلا آیا سیڑھیاں اتر کر میں نینو کے کمرے میں پہنچا۔ نینو کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اس نے ایک بچی کو جنم دیا تھا۔ نینو نے ہماری علاقائی زبان میں جسے وہ بمشکل بول سکتی تھی۔ مجھے بتایا "علی خان یہ بچی ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ یہ پیاری بچی ہے۔" میں نے نینو کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

دن گزرتے رہے اور بچی کی شکل میں نینو کو ایک جیتا جاگتا کھلونا مل گیا تھا۔ وہ ہر وقت اس کی نازبرداری میں مصروف رہتی اور گاہے گاہے مجھے فون کر کے اس کی تمام شرارتوں سے آگاہ کرتی رہتی۔ ایک دن اس نے فون کر کے کہا علی خان۔ یہ زمین پر لیٹی انگلیوں سے لکیریں کھینچ رہی ہے۔

لیکن اسی لمحہ دردنیا میں بھی سرحدوں پر لکیریں کھینچی جا رہی تھیں۔ درسلنہ میں

ہماری قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ آذربائیجان کو آزاد ریاست قرار دیا جا چکا تھا۔ اور الیاس بیگ خوش تھا کہ اب انگریز فوجیں ہمارے علاقے سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائیں گی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ انگریزوں کی موجودگی میں کوئی روسی، سرخ یا سفید سرحد پار کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ ورنہ ہمارے چند رجمنٹوں کو سرحدوں کی حفاظت کرنا ہوگی لیکن الیاس بیگ کا خیال تھا کہ روس سے دوستی کے معاہدے کر لئے جائیں گے اور کچھ عرصہ ہم وزارتِ خارجہ میں روسیوں سے معاہدوں پر کام کر رہے تھے میرے والد ایران واپس جا چکے تھے۔ اس وعدے کے ساتھ کہ ہم سے ملنے وہ وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔

روسی وفود آتے ہیں اور ایک معاہدے پر دستخط ہو جاتے ہیں۔ میں اسد اللہ کو بتاتا ہوں کہ تیس ہزار روسی فوجی شمال میں بلامہ کو گھیرے میں لیئے ہوئے ہیں۔ وہ بتاتا ہے۔ کہ ہم تو صرف دوستی کے معاہدے ہی کر سکتے ہیں۔ باقی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ چند سپاہی پارلیمان کی حفاظت کر رہے ہیں اور اندر پارلیمان میں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ رہی ہیں اور مضافات میں مزدوروں نے دھمکی دی ہے کہ وہ ہڑتال کر دیں گے اگر حکومت نے روس کو تیل برآمد نہ کیا قہوہ خانوں میں لوگ جمع ہیں اخبارات پڑھ رہے ہیں اور حالات پر تبصرہ کر رہے ہیں۔

قصبہ شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے۔ میں نینو کے ساتھ غند تسا چلا جاتا ہوں۔ اور خود کو بدترین سیاسی صورتِ حال سے دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک شام جب میں کمرے میں بیٹھا ہوں کہ گھوڑے کے قدموں کی آواز آتی ہے اور پھر الیاس اندر داخل ہوتا ہے۔ "علی خان روسی باکو پہنچ گئے ہیں" وہ تفصیلاً بتاتا ہے کہ حلما سے روسی سپاہیوں سے بھری گاڑیاں راتوں رات باکو پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے شہر کا محاصرہ کیا اور پارلیمان پر قبضہ کر لیا۔ وہ تمام وزیروں کو گرفتار کر چکے ہیں اور اب میں مقابلے کے لئے تمام حریت پسندوں کو جمع کر رہا ہوں۔

میں نمشا کی مسجد کی دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوں میرے ساتھ تھکے ہوئے سپاہی ہیں مشین گنوں کی کریہہ آوازیں آ رہی ہیں۔ آذربائیجان کی آزادی کے دن پورے ہو چکے ہیں

ہیں ڈائری پر جلدی جلدی تمام واقعات تحریر کر رہا ہوں۔ میں نے ماضی۔ محبت سب کچھ تحریر کر دیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے نینو نے جو کسی طور پر یہاں سے طفلس جانے پر تیار نہیں تھی۔ کس طرح آخری ریل سے روانہ کیا تھا جبکہ الیاس بیگ چاہتا تھا۔ کہ میں ایران چلا جاؤں۔ میں نے نینو سے کہا "تم بچی کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں بعد میں آؤں گا۔ ابھی مجھے کچھ دن یہاں ٹھہرنا ہے۔" وہ کہتی ہے "علی خان۔ تم نے بتایا تھا کہ تمہارے بزرگوں نے غشا کے پل پر جانیں قربان کیں تھیں اور وہ صدمے سے نڈھال ہو جاتی ہے۔ میں اسے سہارا دیتا ہوں اور تسلی دیتا ہوں کہ میں ضرور آؤں گا۔ پھر الیاس بیگ بھی اسے تسلی دیتا ہے میں علی خان جلد طفلس آجائیں گے۔ گاڑی روانہ ہو جاتی ہے اور میں اس منظر کو بھی اپنی ڈائری میں محفوظ کر لیتا ہوں۔

ہم شہر واپس آتے ہیں۔ روسی فوج شہر کے اندر پہنچ چکی ہے۔ ایک آدمی ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ تازہ پیر کی مسجد کو روسیوں نے کلب میں تبدیل کر دیا ہے۔ مصطفےٰ مسجد گیا تو اس کی روسیوں نے پٹائی کر دی۔ اور رسیوں سے باندھ کر اس کے منہ میں زبردستی سؤر کا گوشت ڈالا گیا۔ بعد میں وہ ایران فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ روسیوں نے اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ یہ اطلاع دینے والا ارسلان آغا تھا۔ وہ میرے سامنے کھڑا تھا اور ہتھیاروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"علی خان۔ میں بھی لڑنا چاہتا ہوں۔"

"تم" میں حیرت سے پوچھتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ میرا باپ طفلس بھاگ گیا ہے۔ لیکن مجھے اپنے وطن سے محبت ہے اور میں یہاں ہوں۔ میں اسے ہتھیار دیتا ہوں اور وہ فوجیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ میں پل کی جانب پہرہ دے رہا ہوں دوسری جانب روسیوں کا قبضہ ہے آخر آدمی کا آدمی سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ارسلان آغا کا خنجر ایک روسی کے سینہ میں اتر رہا ہے۔ ہم اب ایک سڑک کے کنارے لیٹے آرمینی مکان پر اندھادھند فائرنگ کر رہے ہیں۔ رات ہم رینگتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ جہاں الیاس بیگ پل کی حفاظت کر رہا تھا۔ رات کے وقت ارسلان آغا پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا

ہے۔"میں خوف زدہ ہوں۔ علی خان۔ شاید بزدل ہوں"

میں اس سے کہتا ہوں کہ اگر وہ جان بچانا چاہتا ہے تو یہ آخری موقع ہے۔ سامنے مرغزار سے ہوتا ہوا اجارجیا کی طرف نکل جائے۔ لیکن وہ ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے کہ اسے وطن سے محبت ہے۔ ایک آدمی مجھے بتاتا ہے کہ ایران میں رضا نامی شخص نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور ترکی میں کمال نے ایک بڑی فوج تیار کر لی ہے۔ ہزاروں فوجیوں پر مشتمل فوج ہماری مدد کو آنے والی ہے۔ میں اسے بتاتا ہوں کہ دنیا میں موجود کروڑوں مسلمان اللہ جانے کب ہماری مدد کو آئیں گے۔

میں پل پر ایک مرتبہ پھر مشین گن سنبھال لیتا ہوں۔ میری مشین گن پاگلوں کی طرح گولیاں برسا رہی ہے اور روسیوں میں افراتفری ہے میں دریا کے خشک پاٹ کی طرف دیکھتا ہوں۔ روسی فوجی دوڑتے ہوئے دریا پار کر رہے ہیں۔ میں فائر کا رخ ان کی جانب کر دیتا ہوں۔ آگے والے فوجی گرتے ہیں تو ان کی جگہ دوسرے آجاتے ہیں۔ ان کا رخ پل کی جانب ہے۔ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اور میری مشین گن اکیلی ہے۔ اچانک اصلان آغا کی چیخ سنائی دیتی ہے۔ میں آواز کی طرف دیکھتا ہوں وہ پل کے درمیان میں پڑا ہے اور اسکے جسم سے خون بہہ رہا ہے میں ایک مرتبہ پھر مشین گن پر دباؤ بڑھا دیتا ہوں۔ اسی اثنا میں ٹوپی اڑ کر دریا میں جا گرتی ہے۔ شاید اسے کوئی گولی اڑا کر لے گئی ہو۔ کچھ دیر بعد مشین گن خاموش ہو جاتی ہے اور میں پسینہ میں تر الود بھوک سے بدحال، امداد کا انتظار کرتا ہوں۔

اب میں مسجد کی دیوار کے سائے میں سوپ پی رہا ہوں اور الیاس بیگ نقشہ پر جھکا ہوا ہے۔ چند گھنٹوں بعد میں دوبارہ پل پر پہنچ جاؤں گا۔ جمہوریہ آذربائیجان کے صرف چند گھنٹے باقی ہیں۔ میں بگل بجنے تک آرام کرونگا اور پھر دریا پر اپنی ذمہ داری پوری کرنے چلا جاؤں گا۔ جہاں میرے اجداد میں سے ابراہیم خاں شیروان شیر نے آزادی نے اپنے وطن اور عوام کے لئے جان قربان کر دی تھی۔

علی خان شیروان شیر صبح سوا پانچ بجے تفلیس پل پر اپنی مشین گن کے پیچھے ہلاک ہو

گیا اس کی لاش خشک دریا میں جا گری۔ میں نیچے گیا۔ اسے آٹھ گولیاں لگی تھیں۔ میں نے یہ کتاب اس کی جیب میں پائی۔ اللہ نے چاہا تو میں یہ کتاب اس کی بیوی کو دے دوں گا۔ ہم نے اسے علی الصبح روسیوں کے حملے سے تیل دفنا دیا۔ علی خان شیروانِ شیر کی موت کے ساتھ ہی ہماری جمہوریہ کا بھی اختتام ہو گیا۔

کپتان الیاس بیگ ولد سینال آغا
سکنہ موضع بنیادی نزد باکو

اغوا برائے تاوان



مطبوعات محمود